آسیہ رزاقی

کہیں نا صبح ٹھہرے

مکمل ناول

شام تک گھر تقریباً" خالی ہو چکا تھا۔
صبح سے ہی لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ جسے دیکھو آنسو بہاتا چلا آ رہا ہے۔ نہ جانے اماں کی کن کن لوگوں سے دوستی' یا رشتے داری تھی اور ان سب کو کس نے اطلاع دی تھی کہ گھر بھر گیا عورتوں سے سڑک پر مردوں کا قبضہ ہو گیا۔ گلاب کے پھولوں کی پتیاں صحن میں بکھری پڑی تھیں۔ برف کی سلیں گھل رہی تھیں۔ صحن میں ہر طرف پانی پانی تھا۔



کے گھر کا حوالہ دے کر صفائی پیش کی۔ بچے ماں باپ سے بے تکلف، ماں باپ اولاد سے فری۔ کوئی الجھن نہ ٹینشن۔ سکون ہی سکون، خوف نہ ڈر۔"

"بس رہنے دو۔ ایک بہو کے آنے کی دیر ہے۔ سارا سکون رخصت ہو جائے گا۔" پھپھو نے پیشن گوئی کی۔

انہوں نے فرح سے بھی کہا کہ "جب نبیلہ چچا کے گھر جائے۔ تم بھی ساتھ جایا کرو۔ یہ تو بے پاگل۔ کل کو کوئی نیا شاخسانہ بن جائے۔ مجھے اب کسی کا اعتبار نہیں۔ یہ ارشد کی دلہن جو اس قدر ہنس مکھ نظر آرہی ہیں۔ مجھ سے ہمیشہ خار کھاتی رہیں۔ میں نے سمیرا کا نام لیا تو ان کو بچھو کا ڈنک مار دیا۔ گز گز بھرا اچھلتی رہیں۔ سارے جہاں میں چرچے کیے کہ کہاں سمیرا، کہاں طارق، گاؤں میں رہتے ہیں۔ فیوچر کیا ہے۔ کس برتے پر میری بیٹی مانگی اور بھی نہ جانے کیا کیا۔ میں تو سن کر چپ ہو جاتی۔ رشتے داری کا دباؤ تھا اور یہ خون کے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے اگر کچھ عرصے کو جدائی ہو بھی جائے۔ پھر مل بیٹھنے کے بہانے ہو جاتے ہیں۔ میں تعلقات ختم کرنے کے حق میں نہیں۔ اسی لیے جب بھی آپا کے پاس آتی تھی۔ ارشد کے گھر ضرور جاتی۔ دلہن مل تو لیتی تھیں مگر انتہائی تکلف سے۔ یہ جو خوش اخلاقی نظر آرہی ہے تم لوگوں کو، میرے لیے بہت اجنبی ہے۔ لوگوں کو چہرے اور رویے بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

پھپھو جاتے وقت پھر تاکید کرنا نہ بھولیں۔ "تاثیر آئے تو کہنا۔ مجھ سے مل کر جائے۔ ایسی بھی کیا مصروفیت بے مروتی ہے۔ کس ماں کا بیٹا۔ اتنا الگ تھلگ۔" فرح کیا کہتی، چپ رہی۔

*_*_*

نبیلہ اب مہینے میں ایک یا دو بار گوجرانوالہ جاتی۔ سباتی چھٹیاں چچا کے گھر۔ اس مرتبہ امجد اسے چھوڑنے آئے۔ نبیلہ نے اندر بلا لیا اور فرح سے چائے کی فرمائش کی۔ وہ چلنے لگی تو امجد نے کہا۔

"سنیے محترمہ۔ چائے سے پہلے ایک گلاس پانی۔"

"محترمہ!" وہ حیران ہوئی تھی۔ اس دن بھی ان کے گھر گئی۔ تو انہوں نے اسے محترمہ کہہ کر بلایا تھا۔ تو کیا وہ اسی طرح مخاطب ہوتے ہیں۔ کتنا اچھا لگتا ہے۔ وہ پانی لائی تو بڑے ممنون نظر آئے۔

"زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" نہایت لجاجت سے کہا۔

انسان کسی کو احترام سے خطاب کرے۔ اگلا خود بخود اس کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر کہیں باقاعدہ یعنی فطرتاً "کوئی اس کے لیے محترم ہو تو دوسرا دیوتا کا درجہ دینے سے نہ چوکے۔ خصوصاً" عورت جسے ہمیشہ دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا گیا۔ اور وہ شاید ازل سے شاکی ہے کہ خدا نے اسے عزت دی۔ مرتبے سے سرفراز کیا مگر انسان اسے عزت تو در کنار برابری کا درجہ نہیں دیتا۔ فرح کے دل پر امجد کی آواز رقم ہو گئی۔

"تمہاری بہت عزت ہے امجد بھائی کے دل میں۔"

نبیلہ نے بتایا۔ وہ ہر کسی سے ہر قسم کی گفتگو کر لیتی تھی۔ فرح جو اسے تاثیر سے اپنے بارے میں بات کرنے سے منع کرتی تھی۔ امجد سے اسے موضوع بنانے پر خفا نہ ہو سکی۔

"کہتے ہیں اس کم سنی میں اتنے غم اور اس قدر حوصلے سے برداشت کرنا کسی عام لڑکی کا کام نہیں۔ انہیں تاثیر بھائی کی بے نیازی کا بھی افسوس ہے۔ نہ نہ۔ میں نے انہیں کچھ نہیں۔ بتایا ایمان سے۔"

وہ فرح کی تیوری چڑھتی دیکھ کر صفائی دینے لگی۔

"مرد ہیں وہ۔ باہر پھرنے والے۔ انہیں تاثیر بھائی کی دلچسپیوں، دوستیوں معمولات کی خبر ہے۔ کہنے لگے۔ کسی مرد کی گھر سے باہر دلچسپیوں کا اثر ماں اور بیوی پر پڑتا ہے اور اگر بیوی گھر میں تنہا ہو تو یہ ظلم ہے اس پر۔"

"نبیلہ! آئندہ تم کسی سے بھی میرے بارے میں کچھ نہیں سنو گی۔ نہ مجھے سناؤ گی۔" اس نے سخت الفاظ میں وارننگ دی۔ مگر نبیلہ پر کیا اثر ہوتا۔ وہ یوں بھی بھولنے کے مرض میں گرفتار تھی۔

*_*_*

کئی ماہ بعد تاثیر کی آمد ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی نبیلہ نے استقبالیہ گولہ باری کی ابتدا کر دی۔

"آپ نہایت ناقابل اعتبار، وعدہ فراموش، بے حس اور خود غرض ہیں۔"

"اور بے حد مصروف۔" تاثیر ڈھٹائی کے تمام ریکارڈ برابر کرنے نیا ریکارڈ قائم کرنے کے لیے ہنستا رہا۔ نبیلہ کی کوئی بات اسے بری نہیں لگتی۔ یہ مزاج کا تضاد تھا یا اس نے سب کے خانے بنا رکھے تھے۔

"آپ کو اپنی دوستیاں عزیز ہیں۔ کام عزیز تر۔ گھر والوں کا خیال ہی نہیں مہینوں لگا دیتے ہیں۔ بندہ انتظار کر کر کے ادھ موا ہو جائے، تب شکل نظر آتی ہے وہ بھی لمحہ بھر کو پھر۔ دوستوں میں جا کر چپک جاتے ہیں۔"

"گھر والے کون، گھر والے؟ ایک ماں تھیں، وہ رہیں نہیں۔ دوستوں سے ملنے ہی تو آتا ہوں نہ ملوں؟" وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

"ضرور ملیں مگر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ چلیں، آج مجھے اور فرح کو چچا کے ہاں چھوڑ کر آئیں۔"

تاثیر نے گردن گھما کر فرح کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیسی نظریں تھیں۔ تیر کی طرح کھب گئیں۔

"میں نے تم کو کتنی بار کہا ہے۔ اپنی گفتگو میں مجھے شریک نہ کیا کرو۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔ "نہ ہی مجھے کہیں جانا ہے۔"

کہہ کر تیز تیز چلتی کمرے میں جا گھسی۔ نبیلہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

پھر کتنی دیر تک تاثیر سے الجھتی رہی۔

"نہایت ہی خبیث ہستی ہیں تاثیر بھائی۔" اندر آئی تو بولتی ہوئی۔

"اپنی غلطی مانتے ہی نہیں۔ دوسروں کے جذبات کا احساس نہیں کرتے۔ چیز کیا ہیں یہ؟ کاش فرح! تم نے ان سے نکاح کی غلطی نہ کی ہوتی۔ میں ناصر سے کرا دیتی۔ میری چھوٹی بھابھی بن کر راج کرتیں ہم سب کے دلوں پر کتنا لطف آتا۔ ہائے افسوس۔"

نبیلہ اس قدر تواتر سے بول رہی تھی سانس لیے بغیر کہ فرح کو ہنسی آگئی۔ اس کی جھلاہٹ اور تاسف میں اس قدر ربط تھا۔ نہ جانے کس بات پر بگڑ گئی تھی۔

"تم کس بات پر ہنس رہی ہو" وہ اور بھی چڑ گئی۔

"اس بات پر کہ نہ ہی میں نے خود سے نکاح کیا۔ نہ ہی اب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ انسان چاہے اور کچھ نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"ایسے کہ بکے جاؤ تم۔" نبیلہ سے حجت کے بجائے اس نے آرام کی ٹھانی۔ نبیلہ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"کیا؟ لیٹ رہی ہو؟ رات بھر لیٹی رہی ہو۔ سوتی رہی ہو بے خبر۔ چلو اٹھو۔ نخرے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ چلو چچا کے گھر۔ کیوں بھئی؟ ڈرتی ہو تاثیر بھائی سے۔ ان کی کیا مجال کہ تم پر پابندی لگائیں۔ خوب سنائی ہیں میں نے ڈرتی نہیں ہوں۔ اٹھو بھی۔"

"نبیلہ! تمہیں جانا ہے جاؤ۔ میں کیوں جاؤں۔ وہ میرے چچا ہوتے۔ تب بھی آج نہ جاتی۔" فرح نے سنجیدگی سے کہہ کر اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"تاثیر بھائی آئے ہوئے ہیں اس لیے۔" نبیلہ کو کچھ برا تو لگتا نہ تھا۔

"تم یہی سمجھ لو۔"

"بس پھر میں بھی نہیں جاتی۔ سارا دن تاثیر بھائی کی خبر لیتی رہوں گی۔ تنگ کروں گی جی بھر کر۔"

فرح کو اس کی خفگی اور فوری ارادہ بدلنے پر ہنسی آ گئی۔ "وہ تمہیں دستیاب ہوئے تب ناں۔"

نبیلہ بھی جانتی تھی۔ منہ بنا کر رہ گئی۔ "ویسے فرح! تم بہت زیادہ بزدل ہو۔ اگر جو تم ڈٹ جاؤ۔ آج چلو میرے ساتھ، وہ روکیں۔ نہ رکو۔ یقین کرو۔ آج ہی فیصلہ ہو جائے۔ ادھر یا ادھر آر یا پار۔ آخر کیا مجبوری ہے تمہیں۔ پڑھ لکھ کر سروس کرو۔ موجیں کرو۔ کیسا نکاح کیسے بلکہ کہاں کے تاثیر صاحب اور ان کا حکم۔"

"تو اس کے لیے پڑھنا ضروری ہے۔ بی اے تو کر لوں۔"

"ہاں یہ تو ہے خیر۔ مگر اب بھی تم ان کی دست نگر نہیں ہو۔ گھر کا کرایہ آتا ہے۔ پھر کس لیے ان سے ڈرتی ہو۔"

"نبیلہ پلیز مت ورغلاؤ مجھے۔" وہ زچ ہو گئی۔

"یہ کہو کہ مت روشنی میں لاؤ مجھے۔ مجھے اندھیرے ہی پسند ہیں۔ غصہ آ رہا ہے تمہارے دوہین پر۔ کون سا احسان کیا ہے انہوں نے تم پر۔ میں ہوتی تمہاری جگہ تو حشر نشر کر دیتی۔ سارے جہان میں ڈنکے پیٹتی ان کی زیادتیوں کے۔"

نہ جانے آج کس سلسلے میں ان کی بات ہوئی تھی کہ نبیلہ مشتعل ہو گئی تھی۔

"تمہاری اور میری پوزیشن میں بہت فرق ہے نبیلہ۔" اس نے نرمی سے نبیلہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔ "میرے ماں باپ نہیں ہیں۔ بھائی بہن نہیں۔ کوئی پشت پناہی نہیں۔ ایک پھپھو امی تھیں۔ جنہیں میں نے اپنا سائبان سمجھ لیا تھا۔ وہ بھی اتنی جلد چھوڑ گئیں۔ پتا نہیں اللہ میاں نے میری قسمت کیسی بنائی ہے۔ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی ہوں۔ کسی ٹھوکر سے بچنے کے لیے۔ کسی گڈھے میں گرنے کے خوف سے۔ میری جیسی لڑکیوں پر خاندان' رشتے دار' پڑوسی کیا۔ زمین آسمان بھی الزام تراشی سے باز نہیں آتے۔"

نبیلہ کچھ حیران تھی۔ "فرح چپ ہو جاؤ۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے۔ اس طرح سوچتی ہو تم۔ کیا امی تمہاری کچھ نہیں۔ وہ سائبان نہیں' سپر تو بن سکتی ہیں۔ انہیں اپنے دکھ سناؤ۔ اپنی فکریں بتاؤ۔ تم نے تو خود کو اکیلا کر لیا ہے۔"

فرح آنکھیں مسل رہی تھی۔ بڑی جلن ہو رہی تھی۔ "جانتی ہیں وہ سب کچھ۔ وہی تو دنیا سے' زمانے سے ڈراتی ہیں۔ وہی تو کہتی ہیں مجھے سب سے ڈر کر خاموشی کو شعار بنا لینا چاہیے تاکہ کسی کو انگلی اٹھانے کی جرات نہ ہو۔ ان ہی کی ہدایت کے مطابق ایکٹ کر رہی ہوں میں۔ تمہیں پتا نہیں جب وقت بگڑ جائے نصیب اجڑ جاتے ہیں۔"

کتنی بڑی باتیں کرنے لگی ہے فرح۔ نبیلہ حیران ہو کر سوچنے لگی۔ "اب کون سا نصیب ہرا بھرا ہے۔ اتنی کم عمری میں نکاح کر کے چھوڑ دیا۔ بھلا اس بیچاری کی عمر تھی نکاح کی؟ جیسے گڑیا کو بیاہ دیا۔ میٹرک ہی تو کیا تھا اور تب میں تو بھائیوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتی تھی۔ صحن میں کدکڑے لگاتی۔ ہر کسی سے لڑ جھگڑ کر آئس کریم کھانا' کولڈ کافی پینا' فضول ضد کرنا۔ طارق کی شادی کے بعد تو وہ ان سے کچھ کھنچ سی گئی رافعہ کی وجہ سے۔ ان کی تیوری پر بل ہی رہتے تھے۔ خصوصاً نبیلہ سے تو وہ سخت بیزار تھیں۔ اسی لیے اسے لاہور بھیجا گیا۔ اب بھی جب گوجرانوالہ جاتی۔ دونوں بھائی آگے پیچھے پھرتے۔

"یہ کھا لو' وہ لے لو۔"

رافعہ کی بیزاری کے باوجود طارق اسے ہر جگہ لے جاتے۔ فرمائشیں پوری کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ ایک بے چاری فرح ہے۔ واقعی بھائی بھی نہیں ہے اس کا' میں نہیں تھی تو اکیلی رہتی تھی۔ کیا زندگی تھی اس کی اوپر سے یہ لمبی ناک والے تاثیر بھائی۔

*_*_*

اس بار تاثیر نے لمبا غوطہ لگایا۔ ان دونوں کے امتحان ہو رہے تھے۔ فرح تو کمرہ بند کیے بیٹھی رہتی۔ نبیلہ کو چین کہاں۔ وہ تاثیر سے دو دو ہاتھ کرنے اس کے کمرے میں پہنچ جاتی۔

"کمال ہے۔ انہیں اب تک یہ علم ہی نہیں کہ تم بھی میرے ساتھ کالج جاتی ہو۔" اس دن وہ آ کر فرح کے پاس بیٹھ گئی۔

"میں نے بتایا کہ فائنل امتحان ہو رہے ہیں۔ فرح تو کتابوں میں غرق رہتی ہے۔ بڑے حیران ہوئے۔ میں نے تو تمہاری رخصتی بھی طے کر دی۔ مگر وہ آنا کانی کرنے لگے۔ کوئی سیدھی صاف بات ہی نہیں کی۔ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتے حالانکہ دونوں کے لیے واحد کزن ہوں۔ ویسے تم بھی ان کی کزن ہو مگر۔"

"تم۔ تم؟ نبیلہ کتنی بار تمہیں سمجھاؤں۔ میرے لیے ان سے کبھی بحث نہ کیا کرو۔"

اس کا دل بھر آیا۔ جو کہنا چاہتی تھی۔ کہہ نہ سکی۔ آواز گھٹ گئی الفاظ گم ہو گئے۔ نبیلہ تاسف کے عالم میں پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"پھر آخر میرے جانے کے بعد تم کیا کرو گی؟ بوا کی

بیٹی کی شادی دو سال سے ٹل رہی ہے مگر کب تک وہ اگر گاؤں چلی گئیں پھر۔"

"تو کیا تمہارے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں ہو گی۔" فرح نے بے ساختہ کہا۔

اسے تو سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا کہ نبیلہ اور پھر بوا کے جانے کے بعد وہ کیا کرے گی۔ نبیلہ بھی خوش ہو گئی۔

تاثیر کی اس سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ وہ کمرے سے باہر کب نکلتی تھی۔

بوا نے اس کے جانے کے بعد رقم کا لفافہ لا کر دیا۔ فرح کی تو سانسیں بحال ہو گئیں۔ آج کل وہ ہمیشہ سے زیادہ تہی دست تھی۔

"اب تو وہ اللہ سے شکوہ بھی کرنے لگی تھی۔ مگر دعائیہ انداز میں عاجزی سے اور اللہ کو اس کی عاجزی ہی پسند آئی تھی شاید۔ وہ توبہ کرنے لگی۔ انسان کتنا بے صبر ہے۔ وہ تو ہر کسی کی حاجت روائی کرتا ہے۔ مگر بندہ صبر نہیں کرتا۔ کب کب اللہ مددگار ہوا۔ کیسی کیسی مشکلوں کے وقت اس نے حاجت روائی کی۔ اللہ کو تو ہر بندے کی ضرورتوں کا احساس ہے۔ وہ یاد رکھتا ہے۔ مگر بندہ بھلانے میں لمحہ نہیں لگاتا۔ واہ رے مولا۔

اس روز کئی ملال ڈھلے۔ تاثیر کی جانب سے بھی شکوہ کم ہوا۔ تنہائی کی فکر نہ رہی۔ بوا جب چاہیں بیٹی کی شادی کے لیے جائیں۔ وہ جائیں اور تاثیر' فرح کو فکر تھی تو تاثیر کی۔ بوا کے اور اس کے جانے کے بعد آئے تو۔ مگر امتحان کا خوف پڑھائی کا زور۔ سب کچھ بھول گئی۔ آخری پیپر دے کر آئیں تو ڈٹ کر سوئیں۔ شام کو ناصر انہیں لینے آ گیا۔

"کیسے ہوئے پیپر؟"

"شاندار۔" نبیلہ چہکی۔

"رزلٹ دیکھیں گے۔" ناصر نے چڑایا۔

"گفٹ تیار رکھو' دو دو۔"

"ہوئے ہوئے گنجا کر کے چھوڑو گی۔ یار گنجے کو کوئی لڑکی پسند نہیں کرتی۔"

"میرے بھائی کو کوئی لڑکی ریجیکٹ کر کے تو دیکھے۔" نبیلہ اترا گئی۔

"گھر میں خیریت ہے؟" فرح نے بھی گفتگو میں شرکت کی غرض سے پوچھا۔

"آں۔ پتا نہیں۔" ناصر کچھ سٹپٹا گیا۔

"اس کا مطلب ہے۔ بھابھی نے ہنگامہ کھڑا کیا ہے' تب ہی تم گھر سے غیر حاضر رہتے ہو۔" نبیلہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔

"نبیلہ! میرے جانے سے بھی کہیں بھابھی کا مزاج برہم ہو گیا تو۔"

"ہوتا رہے تو ہو۔ ہم کیا کریں۔ ان کے ڈر سے اپنے گھر نہ جائیں اور تم کون سا عمر بھر رہنے جا رہی ہو۔" نبیلہ مطمئن تھی۔ مگر فرح کے ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"عمر بھر تو تم کو بھی نہیں رہنا۔ پھر بھی تم سے جھگڑتی تو ہیں۔"

"اصل میں بھابھی ہمارے ماحول میں مکس اپ نہیں ہوتیں۔ انہیں ہم لوگوں کو سمجھنے میں مدت لگے گی۔" ناصر بھابھی کی صفائی دینے لگا۔ "ہمیں بھی صبر سے کام لینا ہو گا۔"

"سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیا۔" نبیلہ گنگنانے لگی۔

نبیلہ کی خواہش پر وہ چچا کے گھر گئے۔ سب نے انہیں پیپر ختم ہونے پر مبارکباد دی۔ چچا چچی نے ناصر سے بھی کہا کہ کبھی کبھی چکر لگا لیا کرے۔ فہد آیا تو ناصر کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اسود نے کہا۔

"آج چھوٹے بھائی کی یادداشت کا امتحان سہی۔ کوئی نہ بتائے کہ یہ کون ہیں۔"

فہد جھینپ گئے۔ "ارے! میں پاگل تو نہیں ہوں۔ پہچان گیا ہوں یہ' یہ ناصر ہیں۔"

سب نے زور کا نعرہ لگایا۔ فہد دبی زبان سے بڑبڑایا۔ "شکر ہے یہ ناصر ہی ہے۔" پھر قہقہہ لگا۔

گوجرانوالہ میں بھی پرتپاک استقبال ہوا۔ طارق بھائی نے دونوں بہنوں کے سر کو چوما۔ فرح کے دل پر بہت اثر ہوا۔

پھپھا مسجد سے آئے تو نبیلہ نے ان سے لپٹ کر

ناصر کی شکائتیں کیں "راستہ بھر کچھ نہیں کھلایا۔ کوک نہیں پلائی۔ کیسٹ نہیں لگائے۔"

انہیں بیٹھے کافی دیر ہو گئی تھی۔ نبیلہ کی باتوں پر قہقہے لگ رہے تھے۔ مگر رافعہ نے جھانکا بھی نہیں۔ پھپو کھانا نکالنے گئیں۔ تو اس نے نبیلہ سے کہا۔

"چلو بھابھی سے مل آئیں۔"

"تم ملو میں ملتی رہتی ہوں۔" وہ بے نیاز بن گئی۔ مگر فرح کے اصرار پر اٹھی۔

طارق کمرے میں جا چکے تھے۔ رافعہ نے یوں ظاہر کیا جیسے انہیں فرح کے آنے کی خبر نہ تھی۔ رافعہ نے نبیلہ کو نظر انداز کر دیا۔ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ نبیلہ کچھ کہتی تو رافعہ، طارق سے مخاطب ہو جاتیں۔

عجب سرد مہر رویہ تھا۔ اور یہ آج پہلا دن تھا۔ فرح بھی محسوس کر کے خجل سی ہو گئی۔

نبیلہ، طارق سے باتیں کرنے لگی۔ اس کی نظر میز پر رکھے شیشے کے کینڈل اسٹینڈ پر پڑی۔ خوشی کا نعرہ لگا کر اس نے تعریفی انداز میں کہا۔

"ہا! کتنا پیارا ہے۔ بھائی! یہ کہیں سے لیا ہے آپ نے؟"

طارق کے کچھ بولنے سے پہلے رافعہ نے تنک کر کہا۔

"کہیں سے بھی لیا ہو۔ ہاتھ نہ لگانا بہت نازک ہے۔ ٹوٹ جائے گا۔"

مگر نبیلہ تو اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ اس نے پھرتی سے وہ اسٹینڈ سے اٹھایا اور آرام سے گرا دیا۔ زمین پر گرتے ہی وہ پاش پاش ہو گیا۔ اب رافعہ کا چہرہ سرخ، پیلا اور پھر نیلا پڑ گیا۔

"دیکھا آپ نے۔" وہ زور سے چلائیں۔ حالانکہ طارق بھائی ایک فٹ پر موجود تھے۔

طارق بھائی کا ضبط قابل تعریف تھا۔

نبیلہ معصومیت سے بولی۔ "ہائے یہ تو ٹوٹ گیا۔ میں تو دیکھنا چاہتی تھی کہ کتنا نازک ہے۔ یہ تو سچ مچ نازک نکلا۔ ٹوٹ ہی گیا۔"

وہ رافعہ پر طنز کی نظر ڈالتی باہر چلی گئی۔

رافعہ نے پھر طارق کو جھنجھوڑا۔ "اب کچھ نہیں کہیں گے آپ۔"

"کیا کہوں؟" ان کے چہرے پر سوال تھا۔ بے اعتنائی۔

"توڑنا بہت ضروری تھا؟" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"تمہارا توڑنا بہت ضروری تھا؟" طارق کے لہجے میں خشکی تھی۔

اسی وقت باہر سے پھپو نے آواز لگائی۔ "آؤ بچو! کھانا لگ گیا۔"

فرح کو خفت ہو رہی تھی۔ اس نے بھابھی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

"چلیں! بھابھی کھانا کھائیں۔" رافعہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ شدید غصے میں تھیں۔

طارق نے دبی زبان سے کہا۔ "چلو اب۔"

"کھا لیا میں نے جو کھانا تھا۔" وہ بگڑ کر بولیں (شاید غصہ کھایا تھا)

"بھابھی! آپ نے ضد دلانے والی بات کی تھی۔ وہ بچہ تو نہیں تھی کہ اسے چیز چھونے سے منع کیا جائے۔"

فرح نے نرمی سے احساس دلانا چاہا۔

"مجھے معلوم تھا۔ وہ ایسا ہی کرے گی۔ اس لیے جتایا تھا۔" وہ اب دانت پیس رہی تھیں۔ (نبیلہ کو کچا چبانے کی نیت تھی شاید)

"وہ ایسا کبھی نہ کرتی۔ اگر آپ نہ اکساتیں۔ میں جانتی ہوں اسے۔ وہ ضدی نہیں۔"

بھابھی نے شاکی نظروں سے فرح کو دیکھا۔

"ساڑھے چار سال ہو گئے ہیں مجھے اس گھر میں آئے۔ میں اسے زیادہ جانتی ہوں۔"

"میرے ساتھ رہتے ہوئے بھی تین سال تو ہو گئے۔ مجھ سے زیادہ واسطہ پڑا ہے۔ آپ کے مقابلے میں۔ بہت تعاون کرنے والی اور خوش مزاج ہے۔"

"ہاں جی۔ بد مزاج تو صرف میں ہوں۔ باقی سب نے تو خوش مزاجی کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں۔"

"چھوڑیں بھابھی! چلیں! رزق سے خفا نہیں ہوا جاتا۔"

"چھوڑو فرح! ان کا دماغ تو خراب ہی رہتا ہے۔ چلو کھانا۔"

"بہن کو کچھ نہیں کہیں گے۔ پاگل وہ ہے یا میں۔" بھابھی چلائیں۔

اسی وقت پھپو نے پھر آواز دی۔ طارق نے پھر کہا۔

"میری ماں تمہاری خادمہ نہیں ہے۔ جو ہاتھ باندھے بیٹھی رہے۔ چلو فرح۔"

پھر چلتے چلتے رافعہ کا بازو کھینچا۔ اور بہت دھیمے لہجے میں سرگوشی کی "سب کو تماشا دکھانے کی ضرورت نہیں۔"

رافعہ بھابھی آ تو گئیں۔ مگر موڈ آف رہا۔ ناصر اور نبیلہ ہی چہکتے رہے۔

بعد میں فرح نے نبیلہ کو بھی سمجھایا۔ شرمندہ بھی کیا۔ وہ ہنستی رہی۔

"تم نے کمینے پن کی حد کر دی۔ نبیلہ! شرم کرو۔"

"انہوں نے تو بہت اعلا ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میرے بھائی کی کمائی تھی۔ میرا حق تھا۔ چاہے میں مانگ لیتی۔ چاہے توڑتی۔ اگر مانگتی تا تو وہ خود توڑ دیتیں۔ کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے۔ میں نے پہلی بار بدلہ چکایا ہے۔"

"نبیلہ! برداشت اچھی چیز ہے۔ اس کا مسلسل استعمال ہر مرض کی دوا ہے۔ برداشت سے حالات بہتر ہوتے ہیں۔ ٹینشن میں کمی ہوتی ہے۔"

"جس دن سے بھابھی کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ اس گھر میں ٹینشن کے طوفان اٹھتے ہیں۔ ناصر بھائی گھر سے باہر رہ کر اس بیماری سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ میں کہاں جاؤں۔ درگزر کرتی ہوں۔ مگر کبھی کبھی لگتا ہے اس طوفان میں ہم ڈوب جائیں گے۔"

نبیلہ بہت رنجیدہ تھی اور اس کا یہ روپ فرح کے لیے تو بالکل نیا تھا۔

"خدا نہ کرے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"یقین کرو۔ کسی نہ کسی کے لیے۔" وہ نہ جانے کیا کہتے کہتے خود ہی چپ ہو گئی۔

"بس چپ رہو۔" فرح نے اسے ڈانٹا۔ پھر رافعہ بھابھی کے رویے۔ ان کا مزاج اور زبان کچھ بھی نیا نہ رہا۔

رافعہ نہ جانے کیا چاہتی تھیں۔ طارق کی خاموشی بھی تنازعے کو ختم نہ کرتی۔ نبیلہ اور ناصر دو ہدف تھے۔ فرح بھابھی کو کبھی کبھی سمجھاتی۔ محبت سے رہنے کے فوائد گناتی۔ پھر ٹیپ کا بند یہ ہوتا نبیلہ کا کیا ہے۔ وہ تو سسرال چلی جائے گی۔ ایک ہی تو نند ہے آپ کی، وہ خود بھی بھابھی سے بہت یگانگت کا اظہار کرتی۔

مگر اس دن بالکل اتفاق سے اس نے بھابھی کی اپنے بارے میں رائے سن لی۔ وہ طارق سے کہہ رہی تھیں۔

"لوجی سوپ تو سوپ چھلنی بھی بولی۔ جس میں بہتر چھید۔ اب تو فرح کے بھی پر نکل آئے ہیں۔ وہ بھی جب چاہے مجھے ذلیل کر کے رکھ دیتی ہے۔ آپ کے گھر میں یہ ہے میری عزت۔ ہر راہ چلتا جو چاہے مجھے کہہ لے۔ آپ چپ کا روزہ رکھے رہیں۔ آپ عزت نہیں کریں گے تو دوسرے کو کیا پڑی ہے۔ ارے لوگ تو بیویوں کی خاطر بہنوں، بھائیوں کے کلیجے چبا لیتے ہیں۔ آپ۔"

نہ جانے کیا خرافات بک رہی تھیں۔ طارق یقیناً منہ دوسری طرف کیے لیٹے ہوں گے۔

فرح نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ کمرے پر دستک دی۔ اور اندر داخل ہو گئی۔ رافعہ الماری کے سامنے کھڑی تھی۔ طارق نے مڑ کر اسے دیکھا اور کہا۔

"آؤ فرح!" انہوں نے بیوی کی بکواس سنی ہی نہیں تھی (یقیناً)

"سوری طارق بھائی۔" وہ اپنی بے ساختہ حرکت پر شرمندہ ہو گئی۔

"میں دراصل اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتی ہوں۔" جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر وہ ہمت جمع کر چکی تھی۔ "ابھی ادھر سے گزرتے ہوئے بھابھی کے جملے میں نے سن لیے۔ افسوس ہوا ان کی ذہنیت پر، میں نے تو ہمیشہ ان کی عزت کی۔ کبھی انہیں ذلیل کرنے کا سوچا تک نہیں۔ پھر بھی معافی چاہتی ہوں۔ انہیں میری کوئی بات بری لگی ہو گی۔ میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ انہوں نے مجھے چھلنی

کس نظریے سے کہا۔ کیا عیب دیکھا تھا اور کون سے عیب ہیں۔ پلیز بتانا پسند کریں گی (رافعہ گھبرائی ہوئی) یا میں سمجھ لوں کہ جس طرح نبیلہ' ناصر اور پھپو کی جب چاہیں جس طرح چاہیں بے عزتی کر ڈالیں۔ میری بھی کرتی رہیں گی اور طارق بھائی سنتے رہیں گے۔ جیسے اپنے ماں باپ کے بارے میں آپ کے ارشادات سنتے رہتے ہیں خاموشی سے۔"

"کیا؟" بھابی نے ہاتھ میں پکڑے پلنگ پر پٹخے۔ گویا لڑنے کے لیے محاذ تیار کیا۔

"اب تم مجھ سے جواب طلبی کرو گی؟"

"جی یہ میرا حق ہے اور میری عزت نفس کا سوال بھی۔ آپ ان لوگوں کے بارے میں جو چاہیں کہتی رہیں۔ میں برداشت نہیں کروں گی۔ کہ میرے کسی اچھے عمل کے جواب میں مجھے چھلنی سے تشبیہ دی جائے۔"

غصہ دم بدم بڑھ رہا تھا۔ وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر۔

"اوہ کس چیز کا غرور ہے۔ آخر تمہیں؟" انہوں نے آگ بگولہ ہو کر طنز اور تحقیر بھرے لہجے میں کہا۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر بالکل روایتی بھٹیارن بن گئیں (لڑاکا)

"مجھے اپنی ذات کا غرور ہے بے شک۔" وہ اپنی لرزش پر بھی قابو پا چکی تھی۔

"اونہہ! سرخاب کے پر لگے ہیں بھئی جس کا شوہر اسے ٹکے کو نہ پوچھتا ہو۔ اس کی کیا حیثیت اور کیسی عزت۔ آخر کوئی بات تو ہو گی۔ غرور لے کر چاٹو۔"

فرح کا اس وقت جی چاہا اس عورت کے ٹکڑے کر دے۔ کس قدر زہریلی زبان تھی۔ اور کتنا بھیانک لہجہ۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ چہرہ آگ میں تپ کر انگارہ بن گیا تھا۔ سننے کی صلاحیت باقی رہی نہ دیکھنے کی۔ آندھی تھی کہ اس کو دھکیلے جا رہی تھی۔ پیر اکھڑ رہے تھے اور شاید وہ گر ہی گئی۔

طارق نے کب رافعہ کو دھکے دے کر کمرے سے نکالا۔ کس آواز میں پھپو کو پکارا کہ نبیلہ ننگے پیر بھاگی آئی۔ ناصر اور پھپو بھی گھبرائے ہوئے آگئے۔ وہ سب فرح کو اٹھا کر باہر لائے۔ اس کی کپکپی رکتی نہ تھی۔

آنکھوں میں سمندر سما گیا تھا۔ زبان بند تھی۔ گھٹی گھٹی سسکیاں اور منہ چھپانے کی کوشش۔ کبھی اتنی ذلت کا تصور بھی نہ تھا۔

طارق بھائی معافیاں مانگ رہے تھے۔ بار بار کہتے تھے۔

"وہ تو جاہل عورت ہے۔ اس کے بکنے کا اثر کیوں لیتی ہو۔ آخر میں بھی تو سنتا ہوں۔"

وہ تو دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر کسی انجانے حملے سے خود کو بچا رہی تھی اور کسی کی بات سمجھ ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے اندر ایک ہی فریاد تھی۔ ایک پکار۔" تاثیر! تم نے مجھے کتنا گرا دیا ہے۔ آؤ اور ایک بار تو مجھے سرخرو کر دو۔"

نبیلہ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ناصر دم بخود طارق شرمندہ۔ خجل اور افسردہ' رافعہ منہ چھپائے پڑی تھی اور وہ جس کی شرم و حیا کی گواہی فرشتے بھی دے سکتے تھے۔ جیسے عریاں ہو گئی تھی۔ منہ چھپائے پھپو کی گود میں پڑی تھی۔ کتنی دیر کے بعد سنبھل سکی تھی اور اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر ناصر سے کہا۔

"ناصر بھائی! مجھے بس میں بٹھا دیں گے؟ ابھی فوراً۔"

پھپو نے کوئی گولی اسے نگلائی۔ دودھ پلایا اور کہا۔

"ہاں ہاں۔ میں بھی چلوں گی۔"

وہ مطمئن ہو گئی اور نہ جانے کیا ہوا کہ پہلے سر بوجھل ہوا۔ پھر ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ سناٹا اور یہ تاریکی اور سناٹا اس رات پورے گھر کو اپنے حصار میں لیے رہا۔ کسی نے کسی سے بات نہ کی۔ کسی نے کھانا نہ کھایا۔ سب اپنے اپنے بستروں پر دم سادھے پڑے رہے۔ اس دن سب کی نیندیں بھی غائب تھیں۔

صبح وہ اٹھی۔ تو سر بھاری تھا۔ کھڑکی سے سورج کی کرنیں جھانک رہی تھیں۔ کتنی دیر تک چپ چاپ پڑی رہی۔ دماغ بھی سن تھا۔ پھپو اس کا ناشتہ لیے بیٹھی تھیں۔ شاید وہ بھول ہی گئی تھی کہ رات کیا ہوا تھا۔ مگر رافعہ کی شکل دیکھتے ہی سب کچھ یاد آ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔

رافعہ دھڑام سے اس کے سامنے آ کر گری۔ وہ اس

سے معافی مانگ رہی تھی۔ شرمندہ تھی۔ طارق نے نہ جانے کتنی دھمکیوں کے بعد معافی پر آمادہ کیا تھا۔ ورنہ وہ بڑی ضدی اور خودسر تھی۔ اب فرح خود بھی شرمندہ تھی۔ کیوں اتنا اثر لیا۔ کیوں کمرے میں گئی۔ جواب طلبی کی مگر جو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ نہ ہی زبان کا زخم آسانی سے مندمل ہوتا ہے۔

رافعہ نے کسی سے سن کر ہی اتنی بڑی بات منہ سے نکالی۔ اس نے کس سے سنا۔ پھپو اسے سمجھاتی رہیں۔ نہ جانے کتنی مثالیں کتنی دلیلیں۔ وہ قائل تو کیا ہوتی۔ بدمزگی اور طارق کو شرمندگی سے بچانے کے لیے واپسی کی ضد نہ کی۔ نبیلہ بھی اسے بھڑکا رہی تھی۔

”اپنی خالہ کے گھر آئی ہو۔ رافعہ کے گھر نہیں۔ تمہیں کیا ضرورت ہے ڈرنے کی۔ بھاگنے کی بھاگیں تمہارے دشمن۔“

اس کی بے سروپا باتوں پر فرح کو ہنسی آ گئی۔

”نہیں تو یونہی بکواس کرنے کی عادت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے مجھے بھی گھر سے نکل جانا چاہیے۔“

”تمہاری اور بات ہے۔ تمہارے باپ کا گھر ہے یہ اس کے علاوہ اتنا شرمناک الزام تم پر تو نہیں لگایا۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“ نبیلہ نے کہا۔ ”تم پر کوئی شرمناک الزام نہیں لگایا۔ صرف چھوٹا سا مجھ پر شرمناک بھی اور جھوٹا بھی کیا سمجھیں۔ کہ میں چچا کے گھر ان کے بیٹے کی خاطر جاتی ہوں۔ اسجد کو پھانسنے کے لیے۔ میں نے اس کان سنا دوسرے سے اڑا دیا۔ ان کی فضول بات مجھے چچا سے ملنے سے نہیں روک سکتی۔ خدا خدا کر کے تو اب برف پگھلی ہے۔“

طارق نے آ کر پھر معذرت کی۔ ”میں اس لیے خاموش رہتا ہوں کہ مجھے اپنے گھر کا سکون عزیز ہے۔ تم مجھے بے غیرت نہ سمجھو۔ جاہل کی بات کا کیا جواب دے اور اپنے گھر کے علاوہ رافعہ کے گھر کا بھی خیال آتا ہے۔ بیوہ ماں نے کس طرح پانچ بیٹیوں کی پرورش کی ہے۔ رافعہ کو اس کے میکے بٹھا دوں۔ تو چار جو گھر میں ہیں ان کے رشتے خطرے میں پڑ جائیں۔ رافعہ کی امی مجھ سے خوشامد کرتی رہتی ہیں کہ میں اسے میکے نہ پہنچاؤں۔ لوگ پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ لڑکی گھر نہیں بسائے گی۔ وہ بھی اس کی زبان سے عاجز ہیں۔“

طارق دکھڑے رو کر چلے گئے۔ تو ناصر نے بھی معذرت کی۔

”تمہارا کیس تو کلیر ہے۔ تم نے کیوں ایسی بے سروپا بات کا اثر لیا۔“

وہ دل میں ان کی مشکور ہوتی رہی۔ کتنے بھلے لوگ ہیں اور ایسا کانٹا ان پھول جیسے لوگوں کے درمیان۔ شاید قسمت اسی کو کہتے ہیں۔

*_*_*

نبیلہ کی سہیلیوں نے اچانک ہلہ بول دیا۔ سب فرح سے پہلی بار ملی تھیں۔ ان لوگوں کی باتوں، دل خوش کن قصوں میں فرح سب کچھ بھول گئی۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ سب کھانا بھی کھائیں گی۔ پھپو کو تو بتا دوں۔ ان کے کمرے میں ایک اور نظارا ملا۔ چچا چچی اسود اسجد شاید ابھی آئے تھے۔ پھپو کی حیرانی چہرے پر رقم تھی۔ وہ خوش بھی تھیں۔ انہوں نے فرح کو دیکھتے ہی کہا۔

”ارے جانا فرح! طارق کو اور اپنے پھپا کو تو بلا کر لاؤ۔ ارے بابا! تم لوگ بیٹھو تو۔“

چچا نے اشارے سے فرح کو روکا۔ ”ابھی ٹھہرو۔ پہلے میں اظہار مدعا کر لوں۔ بھابھی نے مایوس کیا۔ تو کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔“

”ہائیں، ہائیں۔“ پھپو کچھ سمجھے بغیر انہیں دیکھنے لگیں۔ چچا نے پرانے تلخ واقعات اور وجوہات کی فہرست سنانی شروع کی۔ پھپو انہیں روکتی رہیں کہ اب ان قصوں سے کیا لینا۔ چھوڑو، مجھے تو کچھ یاد بھی نہیں۔ مگر چچا نے بات پوری کرتے ہوئے کہا۔

”میری بات سن لیں۔ آج میں اپنی کوتاہی، غلطی اور نالائقی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے پاس معافی کی درخواست لے کر آیا ہوں بھابھی۔“

”ارے بابا! چھوڑو پرانے قصے۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔“

”آپ نے مجھے معاف کر دیا؟“ وہ بے تابی سے

بولے۔

”بھئی کیسی معافی؟ جب کچھ ہوا ہی نہیں۔“ پھپو ہنس دیں۔

”دیکھا میری بھابھی کا ظرف۔“ انہوں نے چچی سے کہا۔ پھر نیچے پھپو کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے گھٹنے پکڑ لیے۔

”بھابھی! میں آج معافی اور تلافی کے لیے آیا تھا۔ میری غلطیوں کو آپ نے درگزر کیا۔ اب میری عرضداشت بھی سن لیں۔“

”ارے تو اوپر تو بیٹھو۔ ارشد کیا باؤلے ہو گئے ہو۔“

”آپ کی مرضی سے ہی اٹھوں گا۔ آج میں فہد کے لیے آپ کی اور اپنی بھی عزیز بیٹی نبیلہ کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ میں نالائق تھا۔ بدبخت تھا۔ اپنے ماں باپ جیسے بھائی، بھابھی کی عزت افزائی نہ کر سکا۔ انہیں ناکام لوٹا دیا۔ آج تک اس دن کی نحوست کو یاد کر کے روتا ہوں۔ ہمت نہ تھی کہ آپ سے معافی مانگتا۔ بھابھی چھوٹوں کی غلطیاں کوتاہیاں بڑے ہی معاف کرتے ہیں۔ بڑی عظمت ہوتی ہے۔ آپ آج مجھے سرخرو کر دیں۔ یہ درخواست قبول کر کے رشتوں کی ڈوری کی مضبوطی کی ضامن بن جایئے۔“ بڑا التجائیہ انداز تھا۔

”میں تو جس دن سے اس گھر میں آئی ہوں۔“ پھپو سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔ ”خاندان کو مضبوط کرنے کی تدبیر کر رہی ہوں۔ اب تک جو ڈوری نہیں ٹوٹی، جڑی رہی۔ وہ بھی میری کوشش اور درگزر کے سبب۔“

”اب اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ درگزر اور معاف کر کے پرانے رشتوں کو نئے تعلق سے جوڑ کر۔ سچ کہتا ہوں میری دوسری بیٹی ہوتی۔ تو از خود آپ کے قدموں میں لا ڈالتا۔ اس وقت نہ جانے کس نشے میں تھا۔“

”دلہن کیا کہتی ہیں۔“ پھپو نے دبی زبان سے پوچھا۔ چچی اپنی جگہ سے اٹھ کر پھپو سے لپٹ گئیں۔ معافی مانگنے رونے لگیں۔ پھپو بھی آبدیدہ ہو گئیں۔

پھر انہوں نے فرح سے کہا۔

”جاؤ بیٹی! طارق، اپنے پھپا اور ناصر کو بلا لاؤ۔“

چچا نے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے اللہ کا شکر ادا کیا پھر نہ جانے کدھر سے گلاب جامن نکال لائے اور پھپو کے منہ میں ٹھونس دی اور بیوی سے بولے۔

”ہٹو بھی، کہاں گھس کے بیٹھ گئیں۔ مجھے بیٹھنے دو بھابھی کے پاس۔“

پھپو نے قدرے خفگی سے کہا۔ ”ارے میں نے ابھی جواب نہیں دیا ہے۔“

”ہمیں آپ کی خوشنودی چاہیے۔ باقی سوال جواب مکمل ہوئے۔ ہم امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اب آج میں نبیلہ کو انگوٹھی پہنا کر جاؤں گا۔“

”ارے دلہن! تم دیکھ رہی ہو اپنے میاں کی زورازوری۔“ مگر پھپو ہنس رہی تھیں۔

اسجد مسکرا رہا تھا۔ اسود اپنے ابا کا ہاتھ پکڑ کر ڈانس کرنے لگا۔

فرح طارق کو بلانے پہنچی تو دروازے پر رافعہ کھڑی تھی۔ جوش مسرت میں وہ رافعہ سے ہی کہنے لگی۔

”بھابھی! لاہور سے چچا، چچی آئے ہیں۔ پرانی تلخیوں پر معذرت کر رہے ہیں۔ پھپو نے کہا ہے، طارق کو بلا لاؤ۔“

رافعہ تنک کر بولی ”توبہ چچا، چچی آئے ہیں کہ فرشتے نازل ہوئے ہیں۔ چھٹی کا ایک دن ہوتا ہے۔ اس میں بھی آرام کا موقع نہیں ملتا۔ اس گھر میں پرائیویسی تو ہے ہی نہیں۔ نہ کسی کو احساس۔ سو رہے ہیں طارق جاگیں گے تو بتا دوں گی۔ حکم آیا ہے اماں جان کا جائیں۔“

یہ آخری فقرہ اندر سے طارق بھائی کے سوال کے جواب میں کہا اور اندر چلی گئی۔ توبہ کیا اسپیڈ ہے ایک سانس میں۔ طارق تو سنتے ہی دوڑے۔ وہ نبیلہ کے کمرے میں آئی۔ تو وہاں قہقہے ابل رہے تھے۔ نبیلہ زنانے سے کوئی قصہ سنا رہی تھی۔ چچا کی آمد کا سن کر بریک لگ گیا۔ اٹھنے لگی۔

”ویسے آپس کی بات ہے۔ تم نہ جاؤ تو کوئی حرج نہیں۔ چچا یہیں آ کر انگوٹھی پہنا دیں گے تمہیں۔“

نبیلہ دم بخود۔

"ہاں بھئی، یقین کرو اور اپنی بھابھی کو بھی مبارکباد دے دینا۔ شاندار پیشن گوئی کے لیے۔ کیا ہوا جو اسجد نہیں۔"

"پھر۔ پھر کون فرح؟" نبیلہ کی تو سٹی گم ہو گئی۔

"فہد بھائی مبارک ہو۔"

"اوہ نو۔" نبیلہ سر پکڑ کر دھڑام سے بستر پر گری۔

"اوہ یس ویسے فہد بھائی کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل بن سکتے ہیں۔ کچھ بھی کہتی رہو۔ بندہ بھلا دے گا۔"

"اور اگر۔۔۔ شکل بھی بھلا دی تو۔"

وہ روہانسی ہو گئی۔ سہیلیوں کے سامنے ابھی تو چچا کے جو کر بیٹے کا ذکر کر رہی تھی۔ جو سب کچھ بھلا کر لطیفے ایجاد کرتا ہے۔

چچا، پھپھو، پپا، طارق، ناصر، اسجد، اسود سب ہی کمرے میں آ گئے۔ سہیلیاں دیوار کے ساتھ چپک گئیں۔ انگوٹھی پہنانے کا عمل کافی باوقار تھا۔ بعد میں چچی نے سب کو مٹھائی کھلائی۔ سب کے جانے کے بعد سہیلیوں نے نبیلہ پر ہلہ بول دیا۔

"اچھا تو لاہور میں یہ کر کے آئی ہو۔ پڑھنے گئی تھیں کہ پڑھانے محبت کی کتاب۔"

"لطیفہ ساز فیکٹری کی مالک۔ کہیں خود لطیفہ نہ بن جانا۔"

نبیلہ شرمانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ سب خوش تھے۔ بے انتہا خوش۔ نبیلہ کو تو پروا بھی نہ تھی کہ بھابھی کیا کہیں گی۔ وہ جواب در جواب میں ماہر تھی۔ لیکن فرح پریشان تھی۔ اب رافعہ بھابھی کس کس طرح سوئیاں چبھوئیں گی۔ کیسے کیسے تیر چلائیں گی۔ مگر وہ خود بھی کچھ حیران تھیں۔

"اسجد زیادہ اچھے ہیں۔ خوب صورت اسمارٹ ہوش اڑا دینے والی مردانگی۔ اگر ان سے۔ شادی ہو جاتی تو کیا حرج تھا۔ چچا کے لیے تو سب بیٹے برابر ہیں۔ اور ان کی کہیں ہوئی بھی نہیں۔" کہا تو یہ۔۔۔

"بھابھی! سب قسمت کے پھیر ہیں۔ کہتے ہیں جوڑے آسمان پر بن جاتے ہیں۔" فرح سادگی سے بولی۔

"ہاں جیسے قسمت کے پھیر نے مجھے ان کے گھر لا پٹخا میرا کی جگہ۔" ان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ تو گویا وہ بھی اس واقعے سے واقف تھیں۔

*_*_*

اس دن وہ چچا، چچی کے ہمراہ لاہور آ گئی۔ چلتے وقت طارق نے گلہ کیا کہ شاید اس نے رات والی بات دل سے لگا رکھی ہے۔ تب ہی اتنی جلدی واپسی کی ٹھان لی۔ نبیلہ بھی اداس تھی۔ فرح نے ان کے شکوے دور کرنے کی کوشش کی۔ نبیلہ کو گلے لگا کر معذرت کی۔

"نبیلہ! میں خوش نہیں ہوں۔ ابھی رہ سکتی تھی۔ لیکن۔ آخر جانا تو تھا اور پھر میں اتنی خوش گمان بھی نہیں۔ بہت کمزور ہوں۔ تنی ذلت سہہ سکوں گی۔ یہ سوچا بھی نہ تھا۔ پھر بھی دیکھو، سارا دن گزار دیا ہنس بول کر تمہاری اور پھپھو کی اور سب کی وجہ سے۔ میں ہٹ دھرم یا ضدی نہیں ہوں۔ بس اب مجھے جانے دو میں پھر آ جاؤں گی کسی دن۔"

"نہیں آؤ گی۔ مجھے پتا ہے" وہ منہ پھلائے رہی۔

"کیوں نہیں آؤں گی؟ تمہاری شادی میں تو آنا پڑے گا اور یا پھر جب تمہارے تاثیر بھائی لائے تب۔"

"اوہ زندہ باد۔ تمہارے منہ میں گھی شکر۔" نبیلہ خوشی سے کھل گئی۔

راستہ بہت دلچسپی سے گزرا۔ اسود مسلسل چہکتا رہا۔ اسجد سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہے تھے۔ چچی کے اصرار پر وہ پہلے ان ہی کے گھر گئی۔ فہد کے تاثرات بھی دیکھنے تھے۔ وہ برآمدے میں ایک کتاب میں گم تھے۔ اسود گاتا ٹھمکے لگاتا داخل ہوا۔ تو مسکرائے۔ اسود نے گلاب کا پھول توڑ کر پتی پتی کر کے فہد پر اچھال دیا اور گاتا رہا۔ جیوے بنڑا عمر ہزاریاں۔

فہد خوش تھا۔ یقیناً" وہ اتنا بھی لاپروا نہ تھا کہ اپنی ذات کے اس اہم دن سے بے نیاز رہتا۔

یہ خوبی تو بس ایک شخص میں پائی جاتی ہے۔ جس کا نام تاثیر ہے۔

بوا نے بتایا کہ "تاثیر میاں آئے تھے۔ میں نے کہا بھی کہ آپ اپنی خالہ کی طرف ہوتے ہوئے جائیں۔

کہنے لگے اتنا وقت نہیں ہے۔ بس رات رات نکلے صبح روانہ۔ دل نہیں لگ رہا تھا۔ اندر باہر پھرتے رہے۔"

بوا کے اندازے بھی خوب تھے۔ دل نہیں لگا اندر باہر پھرتے رہے۔ کیوں نہیں لگا دل۔ کیا کمی تھی۔ وہی گھر، وہی در دیوار، وہی ان کا کباڑ خانہ کمرہ۔ میرا کب احساس ہے۔ ہونا نہ ہونا برابر۔ وہ ست ہو کر پڑ گئی۔ تکیے کے نیچے کھڑ کھڑ ہوئی۔ ہاتھ ڈالا لفافہ تھا۔ وہی مخصوص لفافہ رقم سمیت۔ اوہو اتنی جلدی مڑ کے آ گئے۔ تاثیر کے لیے ایک اور نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔

رات کو اکیلی سوئی۔ اتنے دن نبیلہ کا ساتھ رہا۔ نبیلہ نہیں ہوتی تھی۔ تو بوا رہتی تھیں۔ اب اگر بوا بھی چلی گئیں؟ دو سال سے ان کی بیٹی کی شادی ٹل رہی تھی۔ آخر اس سال تو ہو ہی جائے گی۔ پھر کیا ہو گا۔ ایک پھپھو ہیں تو ان کے گھر قیام کا سوچ کر ہی لرزہ طاری ہو جاتا۔ راتیں بے چین تھیں تو دن بھی بور۔ کیا تھا اگر کچھ دن اور رک جاتی۔ نبیلہ خوش ہو جاتی۔ نہ بات کرتی بھابھی سے مگر اسے کہاں عادت تھی اپنی ذات کے لیے ایسی ویسی بات سننے کی۔

پڑوس کی اسماء آئی تھی۔ کہنے لگی۔

"ادھر سڑک کے دوسری طرف نیا اسکول قائم ہوا ہے۔ اخبار میں ٹیچرز کے لیے اشتہار چھپا ہے، ٹرائی کرتے ہیں۔ اگر تم راضی ہو تو اماں سے مجھے اجازت مل جائے گی۔ داخلے تو اگست میں ہوں گے۔ ابھی ضابطے۔ قاعدے، ٹیچرز کا انتخاب وغیرہ ہو رہا ہے۔ پیدل کا راستہ ہے۔ پھر اپنا ہی محلہ ہے۔"

دونوں نے جا کر درخواست دی۔ اسی وقت انٹرویو ہوا اور انہیں جاب مل گئی۔ یعنی کہ گھر بیٹھے لاٹری کھل گئی۔ وہ دونوں ساتھ ہی جاتیں۔ بوا چھوڑنے اور لینے جاتی تھیں۔

وقت گزرتے اور دل بہلنے کا سامان ہو گیا۔ اسی دوران پھپھو اور نبیلہ آ گئیں نبیلہ کے جہیز کے لیے شاپنگ، لباس، کام بنوانا، سلائی وغیرہ، گوجرانوالہ میں تو وہی ٹینشن کا دور دورہ تھا۔ اب رافعہ نے الگ گھر کا مطالبہ کر دیا تھا۔ فرح کی رائے اور پسند سے کپڑے بنوانے کا پروگرام تھا۔ اس لیے آ گئی تھی۔ دن رات شاپنگ میں گزرنے لگے فرح اسکول سے آ کر نبیلہ اور پھپھو کو سارا وقت دیتی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں نبیلہ چادر اور غلافوں پر کڑھائی کرتی، فرح کو ہنسی آتی۔ کس دل جمعی سے مصروف تھی نبیلہ، بولنے کی رفتار میں بھی کمی آ گئی تھی۔ پھپھو تو شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔

کبھی کبھی چچا، چچی آ جاتے۔ انہوں نے اسجد کی بات طے کر دی تھی۔ اب چاہتے تھے کہ اسجد اور فہد کی ساتھ شادی ہو جائے۔ اسجد تو ابھی شادی پر تیار نہ تھے۔ پھپھو نے تیاری میں تیزی کر دی۔

فرح نے نبیلہ سے کہا۔ "تم ریڈی میڈ کڑھائی والی چادریں لے لو، آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔"

نبیلہ بھی ایک تھی بولی۔ "چچی اندر سے بہت گہری ہیں۔ اگر کبھی طعنہ دیا کہ میں نے سارا جہیز ریڈی میڈ لیا ہے۔ مجھے خود کچھ نہیں آتا۔ تو کم از کم قسم کھانے کو تو یہ سیٹ موجود ہو گا۔"

فرح نے نبیلہ کے دوپٹوں کی ٹکائی شروع کر دی تھی۔

*_*_*

ایک ایسے ہی مصروف دن تاثیر کے مبارک قدم آئے۔ پھپھو نہالوں نہال نبیلہ خوش بخوش۔ ایک فرح کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔ بھابھی کے الفاظ جو وہ بھلا چکی تھی۔ پھر سے تازہ ہو گئے روح فرسا قلق نے اس کا احاطہ کر لیا۔ کمرہ بند کیے دوپٹے پر ستارے ٹانکتی رہتی۔ تاثیر کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ کبھی کوئی آنسو بھی ناک کی نوک پر اٹک جاتا۔

"پتا ہے فرح! تاثیر بھائی نے امی کو روک لیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسی گھر سے شادی کر لیں۔ ابا اور طارق بھائی وغیرہ سب آ جائیں گے۔"

نبیلہ خوش ہو کر اسے مطلع کر رہی تھی۔ خوشی تو اسے بھی ہوئی۔ گویا تاثیر میں ایک درست فیصلہ کرنے اور اپنی بات منوانے کی صلاحیت ہے۔ ساتھ ہی اپنی ذمے داری بڑھنے کی بھی فکر ہو گئی۔ مگر پھپھو نے اسے ہر بات سے بری الذمہ کر دیا۔

گھر میں رنگ روغن شروع ہو گیا۔ کئی جگہ درستی ہونی تھی۔ پھپھو نے اپنے گھر سے بستر وغیرہ بھی منگوا لیے۔ گھر میں ایک چھوٹا سا اسٹور تھا۔ ایک بڑا۔ چھوٹے میں نبیلہ کی چیزیں رکھی جانے لگیں۔ بڑے میں بستر وغیرہ اور گھر کی ضرورت کا سامان۔ نبیلہ کی دو پھوپھیاں تھیں۔ بڑی پھپھو اپنے بیٹے بیٹیوں' بہوؤں کے چچا کے گھر چلی گئیں۔ چھوٹی نے نبیلہ کے پاس قیام کیا۔ شرکت تو دونوں جگہ مقصود تھی۔ چھوٹی پھپھو کی بہوئیں بہت دلچسپ اور کارگزار تھیں۔ گھر کے کاموں میں یوں شریک ہو گئیں۔ جیسے ان ہی کے گھر کا کام ہو۔

پھپھو نے بوا کو بچوں کی نگرانی ان کے کھانے پینے کی ذمہ داری سونپ دی اور گوجرانوالہ سے خانساماں اور کام والی ماسی بلالی۔ گھر میں ہنگامہ جاگ اٹھا۔ نبیلہ بہت خوش تھی۔ چھوٹی پھپھو کی بہوؤں بیٹیوں سے اس کی بہت بے تکلفی بھی تھی۔ جبکہ بڑی کراچی میں رہتی تھیں او، ان سے ملنا کم ہوتا تھا' ان کی بہوؤں سے عمر کا بھی فرق تھا۔ اس لیے بھی وہ زیادہ فری نہ تھی۔ مگر دونوں گھروں میں سب مہمانوں کا آنا جانا تھا۔

اس روز وہ دیر رات میں کچن میں چائے بنانے گئی۔ سر میں درد تھا' مہمان تو سارے آج چچا کے گھر گئے ہوئے تھے۔ شاید وہاں کوئی پروگرام تھا گانے بجانے کا۔ وہ چائے بنا رہی تھی تو آہٹ پر گھوم گئی۔ تاثیر شاید لائٹ دیکھ کر آ گیا تھا۔

"چائے چاہیے؟" وہ آرڈر دے کر پلٹ گیا۔

ارے اتنی بھی کیا بے مروتی۔ کوئی فقرہ' کوئی جملہ' کوئی سوال۔ وہ شادی میں کیا پہنے گی؟ اس کے پاس مناسب لباس بھی ہے کہ نہیں او نہوں نہیں صاحب کچھ نہیں۔ فرح کو دیکھتے ہی زبان بند ہو جاتی۔ نبیلہ سے تو خوب بحث مباحثہ ہوتا۔ خلاف مزاج چھیڑ چھاڑ بھی کر لیتا۔

چائے اس کے سامنے رکھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ ادھر بے نیازی۔ تو ادھر خاموشی۔

شادی پر پہنچنے کا وعدہ کر کے اگلی صبح وہ چلا گیا۔ فرح کے دل میں اداسی کی پھانس گڑ گئی۔ گھر کے تمام کمروں میں مہمانوں کا قبضہ تھا۔ فرح اور نبیلہ اپنے اسی کمرے میں سمٹ گئیں۔ اب اگر تاثیر آئے تو کہاں رہیں گے۔ یہ کسی نے سوچا ہی نہیں۔

*_*_*

اس روز فرح سلک کے سوٹ پر سلمے کی بیل بنا رہی تھی۔ یہ سوٹ وہ اپنی کمائی سے خرید کر لائی تھی' اور خود ہی اسے سلمے ستارے سے چمکا رہی تھی۔ باہر کوئی شور سا ہوا۔ نبیلہ نے ایک چھلانگ لگائی اور باہر پھر وہی شور کمرے میں آ گیا۔ نبیلہ جس نئے چہرے کے ساتھ اندر آئی۔ وہ کوئی سورج تھا کہ چاند۔ طلوع ہوتے سورج جیسی تمازت اور سرخی۔ پورے چاند جیسی ٹھنڈی رنگت۔ آنکھوں میں ستارے دمک رہے تھے۔

"سمیرا" اس کے دل نے گواہی دی۔ سرخی و سفیدی کا حسین امتزاج۔ موتی جیسے دانت۔ حسین سراپا۔ پھپھو کا ملال درست تھا۔ اس وجود کی رونق ہی کچھ اور تھی۔ گھر میں جیسے اجالا بھر گیا۔ طارق بھائی کے ساتھ کتنی اچھی لگتی۔ شاندار جوڑی مگر۔ فرح نے اٹھ کر اس کی پذیرائی کی اس نے بھی خلوص اور محبت سے فرح کو لپٹایا۔

"بہت پریشان تھی میں کہ کیسے نبیلہ سے ملوں گی۔ روز گوجرانوالہ جانا تو ممکن نہ تھا۔ جب پتا چلا کہ کہیں جانا نہیں ہے۔ اپنی دعا کی قبولیت پر شکر ادا کیا۔" سمیرا ہنس ہنس کر کہہ رہی تھی۔ اس کی آواز کا سریلا پن' لہجے کی مٹھاس۔ کیسی دل لبھانے والی تھی۔ فرح کے ذہن میں رافعہ کا سراپا' اس کی آواز' زہر میں بجھے الفاظ گونجنے لگے۔ شکل کے لحاظ سے تو رافعہ بھی پیاری تھی۔ مگر بدنما سیرت نے حسن صورت کو گہنا دیا تھا۔

سمیرا روز آ جاتی۔ نبیلہ کی بڑی پھپھو کی بیٹیاں بہوئیں بھی آ جاتیں۔ خوب گانے ہوتے پھر سب یہاں والوں کو لے کر چچا کے ہاں رونق جمانے پہنچ جاتیں۔ فرح سب کے اصرار کو رد کر دیتی۔ اسے گھر میں بہت کام تھے۔ چچا نے بہت اچھا انتظام کیا تھا۔ اپنے پڑوس کے ایک گھر سے دو تین کمرے لے لیے تھے مہمانوں کے لیے۔ اس لیے ان کے گھر میں نہ اتنا ہنگامہ تھا۔ نہ ہی گہما گہمی۔

سمیرا نے اپنے بیٹے کو اپنی سسرال میں چھوڑ رکھا تھا۔ اور خود آزاد تھی۔ اس کے جیٹھ بے اولاد تھے۔ جٹھانی بہت پیار سے بچے کو سنبھال رہی تھیں۔

مہندی کے دن گوجرانوالہ سے کافی لوگ شریک ہوئے۔ نبیلہ کی بہت سی سہیلیاں آئیں۔ وہ رات فنکشن کے بعد اپنے عزیزوں کے گھر چلی گئیں اگلے دن آنے کے لیے۔ ایک عزیز سہیلی شبو تھی۔ اس کا یہاں کوئی عزیز نہ تھا۔ نبیلہ کے گھر ہی رہنا تھا اسے۔ فرح نے فراخ دلی سے اسے اپنے کمرے میں جگہ دی۔

مہندی میں اسود نے خوب دھوم دھڑکا کیا۔ اس نے لڑکیوں کی ایک نہ چلنے دی۔ اپنے دوستوں کے ساتھ اس قدر ہنگامہ کیا کہ نبیلہ کی سہیلیاں چپ ہو گئیں پھر اس نے فہد اور نبیلہ کے مستقبل کے لحاظ سے ایسے ایسے لطیفے سنائے گڑھ کر کہ محفل زعفران زار ہو گئی۔ نبیلہ بھی پسینہ پسینہ ہو گئی۔ وہ تو سمیرا نے ہی اسود کو مار مار کر چپ کرایا۔ گو کہ وہ بھی ہنسی سے بے تاب ہو رہی تھی۔

"ایک دفعہ کیا ہوا کہ وہ نبیلہ کو لے کر سیر کے لیے نکلے۔ میں اور میری نئی نئی دلہن بھی ان کے ساتھ تھے۔ راستے میں میں نبیلہ کو ایک پرندہ دکھانے کے لیے رک گیا۔ فہد بھائی نے بے خیالی میں میری نئی نویلی دلہن کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ "چلو شکر ہے' کچھ تنہائی نصیب ہوئی۔ نہ جانے کون فضول لوگ پیچھے لگ گئے ہیں۔" ادھر نبیلہ نے پیچھے سے آ کر ان کے دھتھڑ رسید کیا۔ تو مڑ کر بولے۔ محترمہ یہ کیا بدتمیزی ہے۔ میں ایسی بے تکلفی کا قائل نہیں ہوں' خصوصاً "اپنی بیگم کے سامنے۔"

قہقہہ پڑا۔ سمیرا کے لگائے دھموکے پر وہ کمر سہلاتا ہٹ گیا۔ ورنہ اس کے پاس ابھی خاصا اسٹاک موجود تھا۔

رات خاصی گزر گئی تھی۔ جب بوا نے ایک نعرے کے ساتھ اعلان کیا۔

"سیاں آ گئے۔" نبیلہ بیٹھ گئی۔

"فرح! تاثیر بھائی آ گئے۔"

فرح جاگ رہی تھی۔ بولی۔ "پھر میں کیا کروں؟"

اس ٹھنڈے ٹھار جواب نے نبیلہ کے ہوش اڑا دیئے۔

اس کی دوست شبو نے کہا۔ "بھئی انہیں کھانا وانا دو۔ خیر خیریت پوچھو۔ تھکے ہوئے ہوں گے۔ کچھ خدمت کرو۔"

"ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی۔" نبیلہ نے چڑ کر طنزاً کہا۔

فرح چپ رہی۔ شبو حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتی رہی۔ کافی دیر گزر گئی۔ تب تاثیر نے اندر جھانکا۔

"ہیلو کزن تمہارے کمرے کے کسی کونے میں ہماری گنجائش نکل سکتی ہے؟"

نبیلہ جو اسپرنگ کی طرح اچھل کر بیٹھ گئی تھی۔ مایوسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں اتنی گنجائش تھی کہ تین بندے سو سکیں اور تین موجود ہی تھے۔ باقی کچھ بیگ سوٹ کیس وغیرہ۔"

"سوری تاثیر بھائی! یہاں تو یہ میری دوست شبو ہے۔"

"اوہ اچھا خیر' کوئی بات نہیں۔ کہیں نہ کہیں جگہ مل جائے گی۔" بغل میں اپنا تکیہ' چادر لیے تاثیر مڑ کر چلا گیا۔ تو شبو نے فرح سے کہا۔

"ان کے سونے کا انتظام تو کر دو سارے کمرے تو فل ہیں۔" فرح نے سر اٹھا کر کہا۔ "میری ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔" اور پھر تکیے میں ڈوب گئی۔ مگر ذہن تاثیر کے سونے کی جگہ تلاش کرتا رہا۔

صبح سویرے کسی تیز سی آواز سے فرح کی آنکھ کھل گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکلی۔ کچن میں کچھ تھا۔ بوا تھیں نہ جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ کچی نیند سے اٹھنے کی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر بوا کی نگاہوں کے ساتھ اس نے نظر جمائی تو دیکھا۔ پھٹی پرانی دری بیچ کچن کے بچھی ہوئی تھی۔ پچھلی شام وہ پرانی دری بوا نے لہسن پیاز چھیلنے کاٹنے والیوں کے

بیٹھنے کے لیے بچھادی تھی۔ اس دری پر اب بھی چھلکے نظر آرہے تھے اور تاشیر اسی پر تکیہ رکھے سویا تھا۔ مگر اب تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ سر سہلا رہا تھا۔ بوا انتہائی شرمندہ۔

"مجھے کیا خبر تھی' میاں ادھر ہوں گے۔ میں تو کچن کا دروازہ کھلا دیکھ کر اندر آئی۔ اندھیرے میں کچھ نظر بھی نہیں آیا۔ میاں کے سر سے پیر ٹکرایا تو چیخ نکل گئی۔ ہاتھ پر پیر پڑ گیا۔ میں سمجھی سانپ ہے۔"

تاشیر کے چہرے پر بے خوابی' سفر کی تکان کے ساتھ چوٹ کا دکھ بھی نظر آرہا تھا۔ فرح کچھ نادم سی تھی۔

اسی وقت پھپھو بھی دریافت حال کے لیے ادھر آ گئیں۔ خفگی کی نظر فرح پر ڈال کر بولیں۔

"ہم سے اتنا نہ ہوا کہ بستر ہی ڈھنگ کا دے دیتیں۔ کوئی جگہ بنا دیتیں۔ بچہ بے چارا یہاں سویا بدبو میں۔"

"میں کہاں سے جگہ پیدا کرتی۔" کہہ کر بھناتی ہوئی صحن میں آگئی۔

"کوئی بات نہیں خالہ! شادی کے گھر میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔" تاشیر کہہ رہا تھا۔

فرح نے بڑے اسٹور میں ٹرنک برابر کرکے ان پر گدے بچھا کر آرام دہ نشست تیار کی' گدوں پر دری دری پر چادر۔ گرمی بھی اسٹور میں شکر ہے پیڈسٹل فین بھی وہیں موجود تھا۔ آن کر دیا اسے اندازہ تھا وہ بس سونے ہی کرے گا۔ جگہ' مقام' گرمی' سردی اس کی نیند پر حاوی نہیں ہوتے۔ بڑبڑاتی' کڑکڑاتی باہر نکلی۔ بوا کو اسٹور کا بتایا اور اپنے کمرے میں آکر پھر بستر پر گر گئی۔ نبیلہ اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی اور اسے دیکھے جارہی تھی۔

"کیا ہے۔ ہنس کیوں رہی ہو؟ میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں کیا؟" وہ بدمزاجی سے بولی۔

"تمہارے سینگ کیوں نکلتے۔ تم تو پہلے ہی گائے ہو۔ میں تو اس لیے ہنس رہی ہوں کہ بہت خوش ہوں اور خوش اس لیے کہ میرے رخصتی ہو رہی ہے۔ جبکہ تمہاری رخصتی نہیں ہوئی۔"

فرح کو اس کی فضول باتوں پر ہنسی آگئی۔ "بڑی خراب ہو تم۔ غصہ بھی نہیں کرنے دیتیں۔"

"غصہ تم پر جچتا نہیں اور آخر کیوں؟ تاشیر بھائی کچن میں سوئے اس لیے؟ یا اس لیے کہ ہمارے یعنی تمہارے کمرے میں جگہ نہیں ملی انہیں؟"

"اس سے تو اچھا تھا کہ یہیں کسی کونے میں پڑ جاتے۔" شبو کو بھی ملال تھا۔

"فرح کے قدموں میں۔" نبیلہ کھلکھلائی۔

ابھی ناشتہ ہو رہا تھا کہ سمیرا ہشاش بشاش آئی۔ "ہیلو۔"

"ہائیں! تم کیا رات کو سوتی نہیں ہو۔ صبح صبح آ گئیں۔ اتنی رات کو تو گئی تھیں۔" نبیلہ نے حیرت سے کہا۔

"ایک بے حد دلچسپ واقعہ سنانے آگئی ہوں۔ اور ویسے کاہل لوگو! واضح ہو کہ اتنا بھی سویرا نہیں ہے۔ گیارہ بجے ہیں۔ ہمارے ہاں تو آدھا دن ہو گیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سب لوگ کپڑوں پر استری میں جتے ہوئے ہیں۔ سوائے شانو آپی کے۔"

شانو آپی بڑی پھپھو کی ہنس مکھ بیٹی تھیں۔ زندہ دل اور مست مگن سی۔

"کیوں؟ شانو آپی کیا بارات میں نہیں آئیں گی؟" نبیلہ کو فکر ہو گئی۔

"آئیں گی کیوں نہیں۔ وہی قصہ سنانے آئی ہوں۔ تمہیں پتا ہے نا بڑی پھپھو اور ان کی فیملی ہمارے پڑوس والے گھر میں ٹھہرائی گئی ہے۔ وہ لوگ کھانے اور نہانے کے وقت یا رات کو محفل جمانے کے لیے آتی ہیں۔ بازاروں کے چکر لگاتی ہیں اور انہیں کوئی کام تو ہے نہیں۔ ان لوگوں کے میلے کپڑے بھی ہمارے ہاں آتے ہیں دھلنے کے لیے۔ ہماری ایک ماسی تو بس کپڑے ہی دھوتی ہے۔ کل رات شانو آپی آج بارات میں پہننے کے اپنے اور بچوں کے کپڑے شاپر میں ڈال کر لائی تھیں۔ تاکہ آج آرام سے استری کر لیں۔ امی کے کمرے میں بیڈ کے نیچے انہوں نے شاپر رکھ دیا۔ دراصل وہ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ کہ کیا پہن رہی ہیں۔ ان کو رازداری کا بہت شوق ہے۔ صبح میں پھپھو اور امی کے ساتھ برآمدے میں چاول صاف کرکے تلوا رہی تھی ماسی نے آکر پوچھا۔ کپڑے ہیں

یہ کوئی نئی عورت تھی۔ پتا چلا پرانی ماسی بیمار ہو گئی۔ امی نے اسے اشارے سے بتا دیا کہ وہاں تھیلا رکھا ہے لے جاؤ۔ ماسی کمرے میں جاکر کپڑے لے آئی۔ ہم جناب چاول تولتے رہے۔ ماسی کپڑے دھوتی رہی۔"

سمیرا کا انداز بیان دلچسپ تھا مگر چہرے اور ہاتھوں کے اشارے' تاثرات اس سے بڑھ کر۔ سب کی نظریں سمیرا پر جمی ہوئی تھیں۔

"شانو آپی پڑوس سے ہمارے گھر میں داخل ہوئیں جہاں ماسی کپڑے دھو رہی تھی۔ اب سنو۔ شانو آپی نے جونہی دیکھا کہ نالی میں سرخا سرخ پانی بہہ رہا ہے۔ وہ حیران ہو گئیں کہ یہ کس کے کپڑوں کا رنگ ہے۔ اسی وقت ان کی نظر ڈوری پر پڑی۔ تو اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ منہ کھلا ہوا آنکھیں پھٹی ہوئی۔ ان کی بری کا وہ بیش قیمت کارچوبی سرخ دوپٹہ تازہ تازہ دھلا ہوا ڈوری پر پھیلا ہوا تھا اس میں سے اب بھی سرخ بوندیں ٹپک رہی تھیں پھر ان کی حیران آنکھوں نے وہ خوفناک منظر بھی دیکھا۔ کھرے میں صابن کے بے تحاشا جھاگ میں لت پت ان کی شادی کا کارچوبی قیمتی فرشی غرارا ماسی کے ہاتھوں میں ڈنڈا اور غرارے پر اس کی دھول دھول چوٹیں۔ ڈنڈا دھواں دھول غرارے پر سلمہ ستارا شواں شوں۔ ادھر ادھر ہائے وہ بیش قیمت فرشی غرارا جس کی قسمت پر ڈنڈے کی مار لگ رہی تھی۔ وہ چیخ مار کر اس پر جھپٹیں۔ چیخ بھی صور اسرافیل سے کم نہ تھی کہ میں اور پھپھو گھبرا کر صحن میں دوڑیں۔ انہوں نے ماسی کو زور کا دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ گری کھرے میں۔ سیدھی غرارے پر۔ صابن کے جھاگ میں اس کا پورا چہرہ سفید جھاگوں جھاگ۔ کہیں کہیں سے سرخ۔ شانو آپی کا رنگ پیلا۔ پھر انہوں نے وہیں بیٹھ کر دھاروں دھار رونا شروع کر دیا۔ بین کرنے لگیں کہ ہائے میرا غرارا۔ میرا قیمتی دوپٹہ ہم سب ان کے پاس پہنچے دیکھا کہ ماسی تو عین کھرے میں بے آرام بیٹھی ہے۔ اس قیمتی غرارے کے اوپر منہ سے جھاگ صاف کرتی ہوئی اور شانو آپی کا ماتم تھم رے میرا چھ ہزار کام کا غرارا اور دو ہزار کا دوپٹہ۔ ماسی تجھ سے اللہ پوچھے۔"

ہنستے ہنستے سمیرا بے حال اور نبیلہ بھی ہنسے جارہی تھی۔

جو شانو آپی کی داستان سنتا۔ ہنسی سے بے تاب ہو جاتا۔ ذرا سوچو اور اس سین پر غور کرو۔ ماسی کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور قدموں تلے چھ ہزاری غرارا ڈوری پر کارچوبی دھلا دھلایا دوپٹہ۔ اس پر آپی کے بین۔"

"پھر اب وہ کیا پہنیں گی؟" نبیلہ کو فکر ہو گئی۔ اس نے سب سے کہہ دیا تھا کہ بارات والے بھی اور ادھر والے بھی غراروں میں آئیں۔ شاندار فنکشن کے لیے۔

"پہنیں گی تو وہی غرارا۔ کیونکہ اتنا عمدہ کارچوب ہے کہ اس کا کچھ زیادہ بگڑا نہیں۔ البتہ اسے کرسیوں پر پھیلا کر پیڈسٹل فین کے سامنے رکھا ہے۔ ماسی کو مامور کیا گیا ہے کہ اس کی پرت بدلتی رہے' تاکہ آسانی سے سوکھ جائے اور اس جگہ سے ہلے بھی نہیں۔"

"ماسی کیا کہتی ہے۔"

"وہ کہتی ہے' بیگم صاحب نے کہا تھا۔ بچوں کے کپڑے صاف نہیں کرتی ماسی۔ میں نے سوچا ڈنڈے سے تو صاف ہو جائیں گے۔ بچاری نئی تھی اور یہی نہیں ان کے بچوں کے سفید کرتے پاجامے بھی ساتھ ہی رنگے گئے۔ شاپر الٹ کر نل کھول دیا تھا۔ سفید کرتے پاجامے کیا گلابی کلر کے ٹائی اینڈ ڈائی ہوئے ہیں کہ واہ۔"

سمیرا تو سب کو ہنسا کر تجسس میں ڈال کر چل دی۔ ہاں سب نبیلہ کے پیچھے پڑ گئے۔

"کھرے میں کپڑے دھلتے ہیں۔ ڈنڈے کے ساتھ دیسی صابن سے رگڑ کر۔ واہ میں آؤں گی۔ تو اس کھرے میں ماسی کی جگہ تم بیٹھی ڈنڈے چلا رہی ہو گی۔"

فرح نے اسے چڑایا۔

"تم چپ رہو فرح! باقی لوگ کم ہیں مذاق اڑانے کے لیے۔" نبیلہ رو نکھی ہو گئی۔

"واہ یہ خوب ہے جب سمیرا ہنس ہنس کر قصہ سنا رہی تھی۔ سب کس ذوق و شوق سے سن رہے تھے۔ سمیرا کے جاتے ہی ہنسی غائب طنز موجود۔" نبیلہ شام

تک کئی بار روئی۔ بچھڑنے اور مسائل سے دوچار ہونے کا احساس دکھی کر رہا تھا۔

شادی ہال میں جانے کے لیے سب ساتھ تیار ہو رہے تھے اور ہڑبونگ میں کام خراب ہو رہے تھے۔ سمیرا اپنی ایک دوست بیوٹیشن کو لے آئی تھی۔ نبیلہ کو گھر پر ہی تیار کیا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی سمیرا کا بھی میک اپ ہو رہا تھا۔ ایک ہی ہال میں دونوں دلہنوں کی بارات آئی تھی۔ امجد کی دلہن نبیلہ کے پہنچنے کے بعد آئی۔ ہال کے کونے میں پارٹیشن کر کے کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ دلہنیں معہ سہیلیوں کے وہاں موجود تھیں۔ دونوں دلہنوں کی سہیلیاں ایک دوسرے سے تعارف کروا رہی تھیں۔ بارات دو بھائیوں کی تھی۔ ساتھ آئی۔ امجد کی دلہن پارٹیشن کی جھری سے دولہا کی قیام گاہ کھوج رہی تھی۔ آخر اسے دونوں دولہا نظر آ گئے۔ اس نے اپنی ایک سہیلی کو ٹہوکا مارا اور سرگوشی میں پوچھا۔

"پتہ تو کر میرا والا کون سا ہے۔"

"اپنی دیورانی سے پوچھ لے۔ یہ سامنے بیٹھی ہے۔" سہیلی نے کہا۔ مگر نبیلہ کو بہت شرم آ رہی تھی۔

"کیا واقعی آپ نہیں پہچانتیں؟" وہ تو خیر پہچانتی ہی تھی۔ مگر اشارہ نہ کر سکی۔

دلہنوں سے زیادہ شانو کے غرارے کی کھوج تھی لوگوں کو۔ "ارے شانو آپی کا وہ آٹھ ہزار والا غرارا یہی ہے؟"

"شانو نے جو غرارا پہن رکھا ہے کیا یہ وہی ہے بارہ ہزار کا بری کا۔"

"ارے غرارے کا تو بال بیکا نہیں ہوا۔ ہاں بھئی سولہ ہزار کا کام ہے ویسے کا ویسا ہے۔"

"لگتا ہے سچا کام ہے۔ اے شانو! ساس سے پوچھنا کہاں سے بنوایا تھا۔"

شانو آپی بے حد مسرور۔ غرارے کی خوب شہرت ہوئی۔

"چلو دھلنے کا ایک فائدہ ہوا۔ قیمت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔" شانو نے سمیرا سے سرگوشی کی۔

"ایک دفعہ اور دھلوا لیں۔ لاکھوں کا ہو جائے تو نیلام کر دیں۔"

فرح نے براؤن سلک کا غرارا پہنا تھا۔ پھپھو لائی تھیں۔ اس نے خود ہی سی کر اس پر نازک سی بیلیں ٹانک لی تھیں۔ اسے زیادہ شوخ رنگ پسند نہیں تھے۔ سب نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ مگر نبیلہ نے کہا کہ وہ اس "بوڑھے" رنگ میں بھی پھول کی طرح کھل رہی ہے۔ پھر اس نے بے ہوش ہونے کی اداکاری کی۔ آنکھ کھول کر چپکے سے کہا۔ "میں تاثیر ہوں۔"

روتی دھوتی نبیلہ رخصت ہوئی۔ پھپھو بہت اداس تھیں۔ کس لاڈ پیار سے پرورش کرتے ہیں اور پھر جوان کر کے دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ فرح بھی اداس تھی۔ بہت اچھی ساتھی بچھڑ گئی۔

نبیلہ کی رخصتی کے ساتھ ہی اس کی پھپھو اور ان کے اہل خانہ بھی رخصت ہو کر چچا کے گھر چلے گئے۔ اب وہ سب دولہا والے بن گئے تھے۔ گھر میں اداسی، ویرانی اور سناٹا تھا۔ حالانکہ پھپھو، طارق، ناصر بھی تھے۔ بلکہ آج تو رافعہ بھابھی بھی تھیں۔ وہ روز آتی تھیں اور چلی جاتی تھیں۔ کیونکہ گھر میں سسر تھے۔ چچا آج رک گئے تھے۔ جونہی گھر میں گھسے۔ تاثیر نے فرح کو اچٹتی نگاہ سے دیکھ کر کہا۔ "چائے لے آنا۔ تھک گیا ہوں۔"

"جیسے ہل چلا کر آئے ہوں۔" فرح خود بے حد تھکی ہوئی تھی۔ مگر احساس نہیں۔

شبو نے اسے ٹہوکا دیا۔ "چائے کے بہانے بلایا ہے۔ جاؤ۔"

فرح پر غصہ سوار ہو گیا۔ اس نے کپڑے بدلے زیور اتارا اور بھناتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

بوا آج کل کوارٹر میں سو رہی تھیں۔ چائے بنا کر کمرے میں دستک دی اور اندر میز پر پیالی رکھ دی۔ تاثیر پلنگ پر آڑا لیٹا تھا۔ بازو آنکھوں پر تھا۔ اسے ٹس سے مس ہوتے نہ دیکھ کر آواز سے کہا۔

"چائے رکھی ہے۔" تاثیر نے بازو ہٹائے۔ اٹھتے ہوئے دیکھا، وہ واپس جا رہی ہے۔

"کپڑے، زیور کیا کرائے کے تھے۔ فوراً" واپس کر

دیے؟"

وہ خفگی کیا تھا تاثیر آواز، لہجے اور الفاظ میں۔ شکوہ، استہزا یا شرارت وہ مزید رک کر کیوں اپنا مان کھوئے۔ چلنے کو ہوئی تو وہ پیالی میں چمچہ چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اتنا رو رہی تھیں۔ کیا اس لیے کہ نبیلہ کی رخصتی ہو گئی۔ تمہاری ابھی تک نہیں۔"

لازمی شرارت۔ پیروں سے چنگاری اٹھی اور سر تک آ کر آگ بن گئی۔ جھلستی ہوئی کمرے سے نکلی۔ دروازہ زور سے بند کیا۔ اپنے کمرے میں آئی تو شبو سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

"یہ کیا! یہ اتنے میلے کپڑے پہن کر چلی گئیں۔ ہاہا۔"

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر افسوس کا اظہار کیا۔

"دیکھو فرح! مرد بہت حساس ہوتا ہے۔ بیوی کے معاملے میں۔ وہ ایسی چیزیں نوٹ کرتا ہے اور کبھی نہ کبھی زہر اگلتا ہے اور تم جو یہ میلے کچیلے کپڑے بدل کر چائے دینے چلی گئیں۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ خود سے بیزاری اور ان سے بھی بیزاری۔ تم کچھ بہتر لباس نہیں پہن سکتی تھیں؟"

"نہیں۔" اس نے بے خوفی کا مظاہرہ کیا۔ "کیونکہ میں ہوں خود سے بیزار، ان سے بھی بیزار۔"

"فضول۔ مگر وہ تم سے بیزار نہیں۔ اسی لیے تمہیں چائے کے بہانے مگر تم۔"

شبو گردن ہلاتی بستر پر دراز ہو گئی۔ وہ لیٹی تو نیند کوسوں دور تھی۔ مسلسل شب بیداریوں، کام اور گھر کے ہنگاموں کی تھکان۔ جسم جیسے اکڑ گیا تھا۔ اصولاً "تو اسے فوراً" نیند آ جانی چاہیے تھی۔ مگر نہ جانے کیا سبب تھا۔ وہ سوچتی رہی۔

کیا ہے انسان نہ چاہنے کے باوجود کتنے جذبے امڈ آتے ہیں۔ خواہشیں کیسے دل کو حصار میں جکڑ لیتی ہیں۔ کہیں ذرا سی آس زندگی میں رنگ بھرنے آ جاتی ہے۔ تو کبھی ایک فقرہ آگ بن کر دامن جلا دیتا ہے۔ کسی سے کوئی امید رکھنا خود سے دشمنی کرنا ہے۔ فضول میں نیند کی شامت۔ کیا شبو کا خیال ٹھیک ہے۔

کیا مرد "ایسی چیزیں" نوٹ کرتے ہیں اور کیا ان دو فقروں کا مفہوم وہی تھا۔ یا اسی نوٹس کا کیا دھرا۔ اتنی لمبی بات پہلے کبھی نہیں کی۔ نبیلہ دوست تھی بہن اور ساتھی۔ سمیرا تک آنسو بہا رہی تھی۔ شاید مجھے رونا نہیں چاہیے تھا۔ یا چھپ کر روتی۔ خوامخواہ لوگوں نے نوٹ کیا۔ اُفوہ نیند کیوں نہیں آتی وہ ہر آواز ہر خیال سے پیچھا چھڑانے کے لیے نیند کی منتیں کرنے لگی۔ تکیے پر گھونسہ بھی مارا۔ آیت الکرسی پڑھی۔ نیند آ ہی گئی۔

——*

پھپھو وغیرہ کے جانے کے بعد گھر کاٹ کھانے لگا۔ کیسا اجاڑ اور ویران۔ دل گھبراتا تو لائبریری سے ناول منگا کر پڑھتی۔ بوا کی بیٹی کی شادی پھر ٹل گئی تھی۔ بوا فکرمند تھیں وہ خوش۔ اسکول بڑی کامیابی سے چل رہا تھا۔

نبیلہ سیر و تفریح میں مگن تھی۔ بہت مصروف۔ تنخواہ پرس میں رکھتے ہوئے وہ بہت مطمئن تھی۔ اپنی کمائی۔ فخر سے سربلند کیے گھر آئی۔ سامنے ہی کرسی پر تیوری چڑھائے تاثیر کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ کئی مہینے بعد تشریف آوری ہوئی تھی۔ فوراً" ہی اٹھ کر دھم دھم کرتا کمرے میں چلا گیا۔ بوا کچن میں مصروف۔ مرغی کی بوٹیاں کر رہی تھیں۔ فرح کی سوالیہ نظروں کا جواب یوں دیا۔

"میاں نے آتے ہی کھانا مانگا۔ رات کی سبزی رکھی تھی۔ کباب تل دیے۔ روٹی پکا دی۔ دیکھ کر کہنے لگے۔ یہ کیسا کھانا ہے۔ پھر جا کر مرغی لائے۔ آپ کا پوچھا۔ میں نے بتا دیا تو کرسی کو ٹھوکر ماری۔ میز پر گلاس تھا۔ وہ توڑا۔ کھانے کی ٹرے اٹھا کر پھینکنے لگے تھے۔ میں نے منت کی میاں رزق کی بے ادبی ہوگی۔ اللہ ناراض ہو گا۔ تو رک گئے۔ بہت غصے میں تھے۔"

بوا جلدی جلدی مرغی فرائی کر رہی تھیں۔

پرس میں رقم تھی۔ رائے ونڈ سے کرایہ دس تاریخ سے پہلے نہیں آتا تھا۔ چند دن کچھ تنگی رہتی تھی۔ مگر تنخواہ بہت کام آتی تھی اور وہ کس قدر جز رسی سے کام چلاتی تھی۔ اس کا میاں تاثیر کو کیا احساس۔ کبھی

پابندی سے خرچ نہیں دیا۔ اب مرغی کھائی جائے یا دنبہ کریں خرچ۔ وہ تو کمرہ بند کر کے لیٹی تو نیند آ گئی۔ شام کو آنکھ کھلی تو پیٹ فریاد کر رہا تھا۔

"بوا!" اس نے کھڑکی سے پکارا "کھانا لا دو۔"

ادھر خاموشی۔ دوبارہ آواز دی۔ "بوا؟ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔"

"کبھی ہاتھ پیر بھی ہلا لینے چاہئیں۔ اچھی خاصی ورزش ہو جاتی ہے۔"

شاید برآمدے میں ہی موجود تھے عالم پناہ۔ کھڑکی کھولی۔ سامنے میز پر عصرانہ ہو رہا تھا۔ چپس نمک پارے، کیک، تاثیر کرسی پر پیر پھیلائے آرام دہ نشست سے آنکھیں موندے پڑا تھا۔ کبھی کبھی ہاتھ بڑھا کر چپس یا نمک پارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا۔ بوا چائے لیے آ رہی تھیں۔ اچھا چائے کا انتظار تھا۔

"بوا!" اس نے فوراً آواز لگائی۔ "میرا کھانا یہیں لا دو۔ بھوک لگی ہے۔"

"بوا! مرغ کا سالن جو بچا ہے۔ اس کی میرے لیے شام کو بریانی پکا دینا۔" آرڈر ہوا۔

منہ ہاتھ دھو کر آئی تو بوا ٹرے میں کیک چپس نمک پارے لے آئیں۔

"مجھے کھانا چاہیے۔ سبزی رات کی اور۔"

"کباب تو اس وقت میاں نے کھا لیے۔" بوا کچھ متاسف تھیں۔

"بس تھوڑی سی سبزی لا دو۔" اس نے ٹرے واپس کر دی احسان عظیم۔

کھانا کھا کر اسکول سے جو کام لائی تھی۔ کرتی رہی۔ شام کو نبیلہ اور فہد آ گئے۔ خوش باش جوڑا۔ فہد تاثیر کے پاس بیٹھا رہا۔ نبیلہ کمرے میں آ گئی۔ گوجرانوالہ رہ کر آئی تھی۔ بہت افسردہ ہو گئی۔

"بھابھی نے آفت برپا کر رکھی ہے۔ اب تو ابا کا لحاظ بھی نہیں رہا۔ زبان ہے کہ دو دھاری کٹار۔ امی بہت چپ رہتی ہیں۔ ابا کی طرح انہوں نے بھی عبادت میں پناہ ڈھونڈ لی ہے۔ طارق بھائی مفاہمت کی جنگ میں تھکے جا رہے ہیں۔ بس الگ گھر کی رٹ لگی ہے۔ ناصر بھائی، طارق بھائی کی حمایت میں کچھ کہہ دیں تو اف! گولہ باری شعلے آسمان پر۔ چاہتی ہیں کہ سب ہونٹ سی کر بیٹھے رہیں۔ وہ ہی فرماتی رہیں۔"

"پھپھو سے کہو لاہور آ جائیں۔ گولہ باری سے بچ جائیں گی۔"

"کیسے؟ ابا کی صحت ایسی نہیں کہ انہیں بھابھی کے رحم و کرم پر چھوڑا جائے۔ ابا کا پرہیزی کھانا اماں خود پکاتی ہیں۔"

"خانساماں۔"

"وہ کب کا گیا۔ دوسرا آیا، وہ بھی نہیں ٹکا۔ بھابھی کی پسند کا نہیں تھا۔ بہت دکھ ہوا اس مرتبہ، امی ابا کی عمر ایسی ہے کہ آرام کریں۔ خدمت ہو۔ مگر کون کرے۔ امی بھی اب روتی ہیں۔ طارق بھائی گم صم ہو گئے ہیں۔ میں تو جا کر پریشان ہو گئی۔"

"اور سسرال میں۔"

"بہت خوشگوار۔" نبیلہ بیڈ پر پھیل کر لیٹ گئی۔

"چچا خوش، چچی راضی۔"

"اور فہد بھائی۔"

"اپنے قابو میں۔" وہ ہنسی۔

"کتنی بار بھولے تمہیں اب تک۔"

"ایک بار پہلی بار، آخری بار۔" وہ ہنستی رہی۔ "تم سناؤ تاثیر بھائی سے کیسے تعلقات چل رہے ہیں۔"

"سرد جنگ۔ آج موصوف نے مرغی پکوا کر کھائی۔ میں نے رات کی سبزی۔"

"اوہ! بوا سے ذرا مرغی کا سالن منگواؤ۔ چکھ کر دیکھوں۔"

"وہ پہلے ہی بریانی کا آرڈر دے چکے ہیں۔" فرح نے آگاہ کیا۔

فہد چلا گیا۔ نبیلہ تاثیر کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بحث میں مصروف ہو گئی۔ وہ فرح کی خوبیاں گنوا رہی تھی اور تاثیر مضحکہ اڑا رہا تھا۔

"تاثیر بھائی۔ اتنی نیک ہے میری بہن۔ آپ پیر دھو دھو کر پئیں۔ تب بھی اس کی خوبیوں کا حق ادا نہ ہو۔"

"فہد نے کتنی دفعہ پیر دھو کر پیے تمہارے۔"

"ہائے! میں اتنی نیک کہاں۔ شکر کریں یہ مل گئی۔

جو کہیں ہماری بھابھی جیسی ہوتی تو چودہ طبق روشن ہو جاتے آپ کے۔ ایسی فرشتہ صفت کسی کسی کو ملتی ہے۔"

"صرف فرشتہ صفت فرشتہ نہیں۔"

"آپ کے مقابلے میں تو فرشتہ ہے۔"

"میں شیطان ہوں؟"

"توبہ۔ توبہ۔ بوا!" اس نے اسی روانی میں بوا کو پکارا۔ "میں رات کو کھانا کھا کر جاؤں گی۔ فہد بھی ہوں گے۔ مزے دار چکن بریانی بنائیں۔ تاثیر بھائی! مرغی لے آئیں ذرا۔"

"پڑی ہیں دو چار بوٹیاں۔ میرے لیے۔" تاثیر انگڑائی لے رہا تھا لاپروائی سے۔

"ہائے اللہ! اتنی بے مروتی۔" نبیلہ پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی تھی۔ "پہلی دفعہ آئی ہوں آپ کے سامنے۔ آپ کو لازم ہے۔ بہن، بہنوئی کی خاطر کریں۔"

"ایک اور کزن بھی اس گھر میں موجود ہیں۔ برسر روزگار ہیں۔ ان کو بھی خاطر لازم ہے۔ انہیں اپنے فرائض کا احساس بھی بہت ہے۔" کہہ کر باہر لپک گئے۔

فرح پر غصہ اور شرمندگی کا حملہ ہو رہا تھا۔ بوا کو پیسے دینے لگی تو وہ ہنس دیں۔ بتایا کہ تاثیر دو مرغیاں لا لایا تھا۔ آدھی پکائی تھی۔ چکن کڑاہی بھی بن جائے گی بریانی بھی۔ قیمہ رکھا ہے۔ کباب بنا لیں گی۔

فرح نے اٹھ کر کسٹرڈ بنا لیا۔

تاثیر نے آتے ہی کھانے کا نعرہ لگایا۔ "اُفوہ تاثیر بھائی! فہد کو تو آنے دیں۔ صبر بھی کوئی چیز ہے۔ سنا نہیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

"صبر ہی تو کر رہا ہوں۔ مگر پھل ہیں کہ زہر ختم ہی نہیں ہوتا۔"

"تاثیر بھائی! آدمی کی نیت پر منحصر ہے۔ پتا نہیں آپ کی کیا نیت ہے۔"

"نیت ہی تو خراب ہے وہ فرح کی بنائی سلاد میں سے چن چن کر کھیرے اور ٹماٹر کھانے لگا۔ کس قدر محنت اور دل جمعی سے فرح نے سلاد سجائی تھی۔ ٹماٹر کی باسکٹ، کھیرے کا چاند، گاجر کا تارہ اس نے سب منتشر کر دیا۔ آخر صبر نہ ہو سکا تو وہ پلیٹ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ اور از سر نو اسے درست کرنے لگی۔

"بھئی، کھانے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟" وہ کچن کے دروازے پر کھڑا فرح سے مخاطب تھا۔

"یا انتظار موسم گل ہی کرتے رہیں۔"

"میرا کلیجہ ہے۔ دل ہے۔" وہ جلبلا کر بولی۔

"اونہہ جلی سڑی اشیاء کھانے کی عادت نہیں ہے۔" کہہ کر واپس چلا گیا۔

اس کے تو جیسے پتنگے لگ گئے۔ باہر آ کر اور بہ آواز بلند اس نے نبیلہ سے کہا۔

"اپنے بھائی کو سمجھا لو۔ میرے منہ نہ لگا کریں بہت بری طرح پیش آتی ہوں میں۔"

"نبیلہ! اپنی کزن سے کہو، وہی یہ کام کر لیں۔ بہت اچھی طرح پیش آؤں گا میں۔" کمرے سے آواز آئی۔

نبیلہ کھلکھلاتی رہی، وہ جل بھن کر کوئلہ بن گئی۔

"اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنا جہنم کو دعوت دینا ہے۔ یاد رکھنا۔ میں یونہی جل جل کر بھسم ہو جاؤں گی۔" رونا آ رہا تھا۔ اپنی قسمت پر۔ بزرگوں کی نادانی پر۔

"فرح! فرح! کیا ہو گیا ہے۔" نبیلہ اسے لپٹانے لگی۔ "تاثیر بھائی تو مذاق کر رہے ہیں۔ کوئی دکھ دینے والی بات تو نہیں کی انہوں نے۔ انہیں سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے ضرورت نہیں ہے سمجھنے سمجھانے کی۔"

ذرا سی ہمدردی نے دریا بہا دیئے۔ اب زور و شور سے روتے روتے بول رہی تھی۔ غصہ تھا۔ گلے شکوے نہ جانے کون سے دکھ پچھتاوے۔

"میرے ابا کا قاتل ہے یہ شخص۔ کیسے بھلاؤں مار ڈالا۔ میرے ابا کو۔" نبیلہ کی سٹی گم تھی۔

وہ اس سے الگ ہو بیٹھی۔

"فرح! ہوش میں ہو تم؟" آواز دبا کر اسے سرزنش کرنی چاہی۔

"ہوش میں ہوں تبھی تمہیں بتا رہی ہوں۔ آج

جمعدارنی آنکھیں میچ میچ کر آنسو نکال رہی تھی۔ شکلیں بھی خاصی خوفناک بنا رہی تھی۔ گھبراہٹ ہونے لگی۔ آنسو تو کسی طور نکل ہی آیا۔ پلو سے رگڑ رہی تھی۔ پھر وہ تاثیر سے اظہار افسوس کرنے لگی۔ دل جمعی سے ایک اور نئی شکل بنالی۔

"اچھا' اچھا صحن صاف کرو اور برف بھی ہٹا دو۔"

"میں ابھی صاف کرتی ہوں۔ برف میں لے جاؤں جی؟"

اب وہ بالکل مختلف شکل کی ہو گئی۔ اس کے سر ہلاتے ہی پھوپو۔ چھمو اور جیرا کی پکار کے ساتھ احکامات۔

"برف لے جاؤ" "منو' وہ پرانی چادر ہے۔ اس میں باندھ لو' سنبھال کے اوئے۔"

اندر بڑے کمرے میں سفید چاندنی پر فرح سر گھٹنے پر ٹکائے بیٹھی تھی۔ پڑوس کی خواتین اس کے پاس بیٹھی دلجوئی کر رہی تھیں۔

خالہ نے سپارے کو الٹ کر رکھا۔ اس کے پاس آ کر اسے لپٹایا۔ کچھ تسلی دی۔ تاثیر کو خالہ کے پاس سے اماں کی سی خوشبو آئی۔ ماماتا کی مہک۔

پھر انہوں نے اسے بٹھا کر کچھ نصیحتیں کیں۔ جس میں سرفہرست فرح کو خوش رکھنا تھا۔ پھر کہا۔

"چار دن سے آئی ہوئی ہوں پتا نہیں گھر میں کیا ہو رہا ہو گا۔ تمہیں تو پتا ہے۔ نبیلہ کی رافعہ سے بنتی نہیں۔ فرح کے فون پر جیسے بیٹھی تھی ویسی چلی آئی۔ سوچ رہی ہوں' چلی جاؤں۔ سوئم کا کیا پروگرام ہے؟"

"خالہ! میں آپ کو صبح بس پر بٹھا دوں گا۔ چار دن سے بے آرام ہیں آپ گھر جا کر آرام کریں۔ سوئم وغیرہ کا میں قائل نہیں۔"

خالہ اسے سوئم کی افادیت سے آگاہ کرنے لگیں "ایصال ثواب کے لیے لوگ آتے ہیں۔ جمع ہو کر دعا کرتے ہیں۔ غم زدہ لوگوں کی دل جوئی کرتے ہیں۔" وہ بے مزہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ سوئم' چالیسواں' جمعراتیں سب فضول رواج۔ کھانے پینے کے بہانے ہیں۔ ڈھونگ' ہمارے مذہب میں' شریعت بلکہ کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ لوگ جمع ہو کر مرنے والے کی تعریف اور زندہ رہ جانے والوں کی برائیاں کریں۔ مرنے والے کے لیے ایصال ثواب اور خود اپنے لیے گناہ خریدیں۔ میں خود جو موجود ہوں۔ اپنی ماں کے لیے پڑھنے والا' دعا کرنے والا۔"

"بس تم جوانوں کا یہی وتیرہ ہے۔" خالہ بگڑنے لگیں۔ "ہر برا کام کرنے میں آگے آگے۔ فلمیں دیکھو گے' ناچ گانے سے دل شاد کر لو گے۔ موقع ملا تو خود بھی ٹھمکا لگا لو گے۔ جہاں اللہ کا نام آیا۔ تمہیں مذہب کے لیے دلیلیں سوجھتی ہیں۔ قبرستان میں اعلان تو ہوا ہو گا" انہوں نے بات رائیگاں جاتے دیکھ کر سوال کر ڈالا۔

"پتا نہیں۔ میں تو اماں کو قبر میں لٹا کر دور چلا گیا تھا۔" آواز بھاری ہو گئی۔

"ہائیں! تو تم نے مٹی بھی نہیں ڈالی۔" خالہ کو بھی نکتے سوجھ رہے تھے۔

"ڈالی تھی' ذرا غور کریں۔ کس قدر مشکل اور تکلیف دہ تھا یہ آخری فریضہ۔ بیٹا خود ماں کو قبر میں لٹائے۔ سخت زمین' کھردرا فرش پھر کیا میں پتھر تھا۔ جو متاثر نہ ہوتا۔ میں تو وہاں سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اگر خدا کا ڈر نہ ہوتا۔ تو میں اماں کو یونہی گود میں لیے بیٹھا رہتا۔ دفن نہ کرتا۔ خالہ بہت سخت امتحان تھا میرے لیے۔"

اس کے چہرے کی سختی پر حزن وملال کی ملائمت چھا گئی۔ کبھی کسی سے زیادہ گفتگو بھی نہیں کرتا تھا اپنی ماں کے سوا بہت اکھڑ اور بد اخلاق مشہور تھا۔ مگر ماں اور خالہ کے لیے اس کی آواز میں خاص لچک ہوتی۔ ایک ماموں تھے' ان کے پاس جا کر' ان سے مل کر خاص طور پر طبیعت میں نرمی اور لوچ پیدا ہو جاتا۔

"ہاں بیٹے! یہ مشکل امتحان اور آخری فریضہ' بڑا جان لیوا ہوتا ہے اللہ تمہیں صبر دے۔ اب ماں کے لیے دعائے مغفرت ہی کرتے رہنا۔ جو کچھ پڑھ سکو۔ پڑھ کر ثواب پہنچانا۔ یہی تمہاری ماں سے محبت کا ثبوت ہو گا۔"

خالہ آب دیدہ تھیں۔ وہ وہاں سے اٹھ کر صحن میں آگیا۔ موتیا کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اماں پھولوں کی کس قدر شائق تھیں۔ روز بالیوں میں موتیا کی کلیاں پرو کر پہنتی تھیں۔ اب بھلا ان پھولوں کا کون قدر دان ہو گا۔ فرح کو بھی پھول توڑتے نہیں دیکھا' پہننا در کنار۔ کس قدر سناٹا تھا گھر میں قبرستان جیسا۔ اماں قبرستان میں ہیں۔ یہاں بھی ویسی اداسی ہے۔ وہی ویرانی۔ کم از کم اس کے جذبات تو اتنے ہی مردہ تھے۔

سامنے والی پڑوسن کھانے کے تھال لیے آرہی تھیں۔ بوا نے آگے بڑھ کر تھام لیے۔ گھر میں چند پڑوسی تھے۔ وہ بھی خواتین۔ برسہا برس سے اس محلے میں رہنا سہنا تھا۔ رشتے داروں سے زیادہ پڑوس سے تعلقات تھے۔ پھر اماں کا اخلاق۔

رات کو چند دوست آگئے۔ کافی دیر تک بیٹھے تسلی دیتے رہے۔ ان کے جانے کے بعد گھڑی دیکھی۔ ابھی دس نہیں بجے۔ وقت گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ خالہ اور فرح سو گئی تھیں۔ تھکی ہوئی تھیں۔

اماں نے ان دونوں کو آرام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ فرح اکیلی کب سے ان کی خدمت کر رہی تھی۔ پچھلے ماہ وہ آیا تو ماں ٹھیک تھیں۔ بس سر میں درد رہنے لگا تھا۔ تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن اچانک ان کی حالت بگڑ گئی۔ فرح نے خالہ کو بلا لیا۔ خالہ نے تاثیر کو فون کروایا۔ چار دن ہی میں اس کے سامنے آخری سانس لیا۔ اسے تو ہوش ہی نہ تھا۔ ڈاکٹر' نسخے' دوائیں' کلینک۔

ہر سمت دوڑ رہا تھا رات بھر اماں کے پاس بیٹھا رہتا۔ فرح اور خالہ دعائیں' وظیفے کر رہی تھیں۔ دعا کام آئی نہ دوا۔ کیا ہے یہ زندگی؟ موت کے سامنے بے بس۔ سرنگوں' آرام سے اگلے جہان سدھارنے والو! کچھ پیچھے رہ جانے والوں کی تشفی کا نسخہ بھی تو بتا دیا کرو۔

صبح خالہ اس سے پروگرام پوچھنے لگیں۔ وہ سوچنے لگا کیا کہوں۔

"مگر تمہیں جلدی پہنچنا ہے۔ تو خیر سے جاؤ۔ نوکری کا معاملہ ہے۔ گھر میں بوا ہیں۔ ان کا میاں اور بیٹی بھی ہے۔ میں بھی خیر خبر لیتی رہوں گی۔ اگلی بار سہولت سے آؤ۔ تو فرح کو ساتھ ہی لے جانا۔ وہاں تمہارا گھر در بھی ہے کچھ؟"

"مالک مکان کے گھر سے کھانا ناشتہ آتا ہے۔ صبح کا ناشتہ' رات کا کھانا۔"

"ہوں تو ابھی سے کسی چھوٹے سے گھر کی تلاش کر لو۔ ویسے بھی ابھی تو لوگ تعزیت کے لیے آتے رہیں گے۔ فرح کو رہنا پڑے گا۔ پھر تم بھی چکر لگا لینا چھٹی کے دن۔"

خالہ نے پروگرام مرتب کر لیا۔ وہ الجھن میں پڑ گیا۔ یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ فرح کا کیا کرنا ہے۔ نکاح کرنے میں اماں نے اس قدر عجلت کی اور رخصتی میں اتنی دیر۔ اس میں خود اس کا بھی قصور تھا' کوئی سروس لگ کر نہیں کی' ایک چھوڑ دوسری پکڑی۔ اماں منتظر ہی رہیں۔ کہیں جم کر رہے تو وہ کوئی فنکشن کریں۔

صبح خالہ کو بس میں بٹھا کر آیا۔ تو گھر میں جانے سے ہی وحشت ہونے لگی۔ سنسان ویران گھر۔

ایک اماں کے دم سے کیا رونق تھی۔ تاثیر کو ڈانٹ ڈپٹ۔ فرح کو نصیحتیں بھی وہ با آواز بلند کیا کرتی تھیں۔ شاید اس لیے کہ تاثیر پر اثر ہو۔ وہ بیٹے کے لائق بنانا چاہتی تھیں اسے ویسے وہ تو بہو سے خوش ہی تھیں۔ وہ ان کی ہر نصیحت پلو میں باندھ لیتی۔ بہو وہ بعد میں بنی۔ بھتیجی ہی تھی۔ سات سال کی عمر میں ماں سے محروم ہوئی اور اس محرومی کی چھاپ ابھی تک اس کے وجود میں چھپاں تھی۔ ماموں نے شادی نہیں کی پھر بیٹی کو کلیجے سے لگائے رہے۔

جب ماموں کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ اماں کا دل بھی تڑپ گیا۔ "فوراً" رائے ونڈ چلی گئیں۔ بھائی کی تیمارداری' بھتیجی کے تالیف قلب کے لیے۔ ایسا گئیں کہ جم کر بیٹھ ہی گئیں۔ اس کی نئی نئی جاب تھی۔ یوں تو بوا گھر میں تھیں۔ کھانے پینے کی آسانی تھی۔ بوا گھر کو درست رکھتی تھیں۔ مگر وہ تو اپنی ہر ضرورت کے لیے اماں کا محتاج تھا۔ کبھی اماں کی بے نیازی پر کڑھتا

تک وہ دن، وہ منظر، وہ الفاظ یوں یاد ہیں جیسے ابھی ابھی سامنے ابا بیٹھے ہیں اور لائق بھانجے نے اپنے نادر خیالات کے ذریعے ان کے کمزور دل کو زخم لگائے۔ وہ تو سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ کردیا۔ لائق بھانجے نے ان کی خواہش، ارمان اور فرمائش پوری کرکے ان کی آرزو کی تکمیل کردی۔ کوئی غم نہ رہا۔ بیماری کا خوف ختم ہوگیا۔ واپسی کا سوچ رہے تھے کہ۔"

فرح ہچکیوں کے درمیان وہ داستان سنا رہی تھی۔ جو اس نے آج تک کسی کو نہیں سنائی تھی۔ آنسو تواتر سے اس کے چہرے پر بہہ رہے تھے۔ آبشار تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

"کہ میں نے، ماموں کے بھانجے نے اپنے پیارے ماموں کو قتل کردیا۔" تاثیر پتا نہیں کب سے دروازے میں ایستادہ تھا۔ اس کا لہجہ تند اور سخت تھا۔ "اگر کوئی شخص الفاظ سے قتل ہوسکتا ہے۔ تو ہاں میں نے ان کی بیٹی کی خوبیوں کا کھلم کھلا اعتراف کیا۔ مگر ان سے نہیں۔ اپنی ماں سے شکایتاً"۔ ارادۃً "نہیں جوش میں آواز یقیناً بلند ہوگئی۔ سچ کتنا بھی کڑوا۔ زہریلا سہی میں نہیں مانتا کہ وہ کسی کی جان لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں خود ان دنوں ایک نکما ناکارہ تھا۔ اور جو کچھ میں نے کہا، وہ حق کے تحت اپنی منکوحہ کے لیے محض ماموں کی بیٹی کے لیے نہیں۔"

نبیلہ جو ہکا بکا سی تھی۔ تاثیر کے لہجے اور انداز سے پریشان ہوگئی۔

"تاثیر بھائی! جو ہونا تھا ہوگیا۔ شکووں کا وقت گزر گیا۔ اللہ کا حکم تھا۔ مگر یہ تو آپ کو ماننا ہوگا کہ ماموں دل کے مریض تھے۔ ممکن ہے آپ کی صاف گوئی نے ان کے دل کو ٹھیس پہنچائی ہو۔ اولاد کا تعلق دل سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اتنے بھی بیمار نہ تھے کہ۔"

"کہ مرجاتے۔" تاثیر نے جملہ مکمل کیا۔ "تم کو نانا ابا یاد نہ ہوں گے۔ صحت مند تھے کبھی بیمار نہیں ہوئے۔ صبح پارک میں سیر کرنے گئے تھے۔ میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا۔ لڑکھڑا کر گرے اور ختم۔ ان کا قاتل بھی میں ہوں۔ میرے والد مجھے ہوم ورک کرا رہے تھے۔ اسی جگہ لڑھک گئے ختم۔ ان کا بھی میں ہی قاتل ہوا۔ بلکہ خاندان کی جتنی اموات ہوئی ہیں۔ میں ان سب کے قتل کا جرم قبول کرتا ہوں۔ نانا ابا اور ابو جان کو تو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

اور ماموں جان تو چار دن بہترین ڈاکٹروں کی نگرانی میں رہے۔ اللہ کو جان بچانی ہوتی تو کوئی دوا کوئی علاج کارگر ہوجاتا۔ کہتے ہیں حیلے روزی بہانے موت۔ دوسروں کی موت کا تو کوئی بہانا ہوتا ہوگا۔ مگر ماموں کو بہرحال بغیر کسی بہانے کے میں نے ہی مارا ہے۔"

تاثیر گولی کی طرح وہاں سے نکلا چلا گیا۔ نبیلہ تاسف اور ندامت لیے بیٹھی رہ گئی۔ جاتے وقت اس نے فرح سے کہا۔

"میں آج آکر پچھتائی۔"

فرح سے کچھ کہا بھی نہیں گیا۔ وہ بھی پچھتا رہی تھی۔

اگلے تین چار دن جب تاثیر کہیں نہیں گیا۔ تو فرح پریشان ہوگئی۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ روز صبح چلا جاتا۔ دوپہر کو آکر سو جاتا۔ پھر شام کو دوستوں کے پاس جاتا۔ رات کو بوا سے کھانا مانگ کر کھا لیتا۔ فرح سے پہلے ہی کب بات چیت تھی۔ اس دن کے معرکے کے بعد بالکل لاتعلق ہوگیا۔ بوا کی ڈیوٹی بڑھ گئی تھی۔ جتنی دیر رہتا، چائے مانگتا۔ کپڑے دھلوانا ہو، استری کرانی ہو۔ بوا ہی ذمہ دار تھیں۔ فرح نے بوا سے ہی پوچھا۔ "ارادے کیا ہیں؟" "انہیں خبر نہ تھی۔ ایک دن یونہی بوا نے مہنگائی خرچ وغیرہ کا ذکر کیا تھا تب کہا۔

"میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ جو لایا تھا، خرچ ہوگیا۔" فرح کے چھکے چھوٹ گئے۔ بوا نے پریشانی سے کہا۔

"پھر کیسے گھر چلے گا۔"

"نوکری ملے گی تو کرلیں گے۔ ویسے کمائی تو آرہی ہے گھر میں۔ کیا میرے لیے دو روٹیاں بھی نہیں ہیں تمہارے گھر میں۔"

آتے ہی بتا دیا ہوتا۔ تو مرغی، انڈے، حلوے مانڈوں میں جو خرچ ہوا۔ اس میں کفایت کی جاتی۔

رائے ونڈ سے کرایہ بھی نہیں آیا۔ اب مہنگائی، ضروریات، بیکاری۔ بات چیت ہوتی۔ تو شاید افہام و تفہیم سے معاملہ سدھر جاتا۔ اوپر سے نواب صاحب نے کھانے پر اعتراض شروع کردیے۔ مزاج عالی برافروختہ رہنے لگا۔

"بوا! کیوں نہ یہ گھر کرائے پر دے کر دو کمروں کا چھوٹا گھر لے لیں۔"

"دو کمروں کا؟ چھوٹا گھر تو بہت چھوٹا ہوگا۔"

"مجھے تو ایک ہی کمرہ چاہیے۔ بندے کو ایک ہی کمرہ درکار ہوتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہوتا کہ ایک ٹانگ اس کمرے میں۔۔۔ دوسری ٹانگ دوسرے کمرے میں رکھ کر سوئیں۔ ویسے یہ گھر تو ہے ہی بہت بڑا۔ ضرورت سے زیادہ۔ رنگ روغن بھی خالہ نے کرادیا تھا۔"

پورا پروگرام طے کر رہا تھا۔ بوا ڈر گئیں۔

"پھر میاں! میں کہاں جاؤں گی؟"

"جہاں ہو وہیں رہنا۔ سرونٹ کوارٹر میں۔ کرائے دار سے بات کرلیں گے۔ ان کے ہاں کام بھی کرنا۔ تنخواہ تگڑی لینا۔ فائدہ ہی فائدہ۔" آج کل فائدے کی فکر تھی۔

"مجھے آپ نوکری سے جواب دے رہے ہیں۔" بوا آبدیدہ ہوگئیں "برسوں اس گھر کا نمک کھایا ہے۔ اب بڑھاپے میں یہ وقت دیکھنا تھا۔"

"نہیں بلکہ زیادہ فائدے کی بات کر رہا ہوں۔"

"آپ کے گھر کا کام پھر کون کرے گا۔ دوسرا نوکر۔"

"تمہاری بی بی صاحب کیا بالکل اپاہج ہوگئی ہیں۔ یا اسکول والوں نے پابندی لگادی ہے۔ کہ گھر کو سرائے سمجھو ورنہ نوکری ختم۔"

۔۔*

نبیلہ اس دن کے بعد پھر نہیں آئی۔ اس دن فرح بوا کو لے کر اس کی طرف چلی گئی۔ بہت مسرور ہوئی۔ اسعد آگیا تو محفل میں جان پڑ گئی۔ اس نے فہد اور نبیلہ کے بارے میں کچھ نئے لطیفے بنا لیے تھے۔ شوخ نظروں سے انہیں دیکھ دیکھ کر سناتا رہا۔ امجد اور ان کی بیوی ہما بھی آگئی۔ فرح الگ جا کر اپنی باتیں کرنا چاہ رہی تھی مگر موقعہ نہ تھا۔ پھر امجد آگئے۔ انہیں بھی محفل میں شریک کرلیا گیا۔ مگر اب بے تکلفی پر تکلف حاوی ہوگیا۔

امجد کے لیے ان سب کی نظروں اور رویے میں احترام اور ادب تھا گھر والوں پر امجد کا خاصا رعب تھا۔ نبیلہ اور فہد نے فرح کو روک لیا۔ فہد جا کر تاثیر کو بھی لے آیا۔ رات تک خوب گپیں ہوئیں۔ مردانہ قہقہوں سے گھر گونجنے لگا۔

کھانے کے بعد لطیفوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہاں اسعد تاثیر سے ہار گیا۔ بیت بازی میں بھی تاثیر کی یادداشت غضب کی تھی۔ نبیلہ اور فرح نے پہلی بار تاثیر کو اس رنگ میں دیکھا۔ بارہ بجے اسعد انہیں چھوڑ گیا۔

تاثیر کو شاید سروس سے لگاؤ نہ تھا۔ یا وہ اس معاملے میں بے فکر تھا۔ ابھی تو وہ گھر میں ہی راج کر رہا تھا۔

اس دن نبیلہ نے یونیورسٹی میں داخلے کا ذکر کیا۔ فہد کی بھی خواہش تھی۔ دراصل "اگر تم داخلہ لے رہی ہو تو مجھے بھی۔۔۔ فارم منگوا دینا مجھے بھی۔"

"تاثیر بھائی سے پوچھ لیا ہے؟" نبیلہ نے جھجکتا ہوا سوال کیا تھا۔ وہ اسے بے بسی سے دیکھنے لگی۔

"فرح سدھر جاؤ کیوں ضد باندھی ہے۔ گھر میں دو بندے ہوں۔ وہ اس قدر اجنبی نہیں ہوسکتے۔ تم ان پر اعتماد کرو۔ ان سے مسائل ڈسکس کرو۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ حقیقت سے دور زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔"

"یہ زندگی نہیں ہے نبیلہ! الزام ہے۔ میں تو اس بوجھ کو اتارنا چاہتی ہوں۔" وہ سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔

"زندگی کو الزام سمجھنا۔ گناہ ہے۔ یہ ایک نعمت ہے۔ انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے پر احسان ہے۔ دیکھو فرح! جب میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ تب بھی مجھے تمہاری کوتاہی نظر آیا کرتی تھی۔ تاثیر بھائی میں تو ضبط اور تحمل بلا کا ہے۔ شاید خالہ امی کے انتقال کے

بعد انہوں نے خود کو سنبھال لیا ہے۔ اپنی ذمے داری کا احساس ہو گیا ہے۔ انہیں! انہیں تمہاری فکر ہے۔ وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ کیا زبان سے کہیں تب ہی یقین کرو گی؟ ہر بندے کا اسٹائل مختلف ہوتا ہے فرح! اب شادی کے بعد تو مجھے اور بھی شناخت ہوئی ہے مردوں کی فہد بھی کسی اور فطرت کے ہیں۔ مگر شکووں کی زبان ان کی بہت لمبی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا۔ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ مجھ میں کون سی خوبی پسند کرتے ہیں۔ کیا تاثیر بھائی پتھر ہیں؟ وہ بھی کچھ چاہیں گے تم سے، تم نے ان پر ماموں کی موت کی ذمے داری ڈال دی۔ اگر وہ کہہ دیں۔ تم میری ماں کی موت کا سبب ہو۔ یا تمہاری کوتاہی نے مجھے یہ دن دکھایا ہے۔ آخر تم ہی تو تھیں خالہ امی کے پاس۔"

نبیلہ اپنی سمجھ کے مطابق اسے راستہ دکھا رہی تھی۔ فرح اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"میں اپنی پھپھو امی کو۔ وہ جو میرا سائبان' میری محافظ تھیں؟"

"تو تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ کوئی اپنے سگے ماموں کو قتل کرے گا محض الفاظ ہے۔"

"وہ محض الفاظ نہیں۔ ایک محبت کرنے والے' بیٹی پر جاں نثار کرنے والے باپ کے سینے پر خنجر کی طرح کھبنے والے فرمودات تم نے سنے نہیں۔ میری خامی میری کم سنی یا کم عقلی سہی مگر انہوں نے میرے ساتھ نباہ نہ ہونے اور دوسری شادی ضرور کرنے کا عہد کیا' تب ابا۔" وہ رو رہی تھی۔

"اچھا اب روؤ نہیں۔" نبیلہ کو ترس بھی آیا۔

"کہاں روتی ہوں۔ پتھر بنا لیا ہے خود کو۔"

"وہ بھی تو اس وقت اتنے سمجھدار نہ تھے۔ ماں کے لاڈلے انہوں نے صرف خالہ امی اور ماموں جان کے لحاظ میں یہ نکاح قبول کیا۔"

"تو نہ کرتے۔ بدلحاظی اچھی ہوتی۔ میرے ابا تو نہ مرتے۔ مجھ سے پوچھا ہوتا تو میں بھی انکار ہی کر دیتی۔ ایسے سنگدل' ظالم اور بے حس' بے نیاز شخص کے ساتھ کوئی لڑکی شادی نہ کرتی۔ افسوس نہیں، مجھے غصہ آ رہا ہے۔"

"تمہارا غصہ بچوں جیسا ہوتا ہے۔ میں تو تمہارے احساسات پر ہنس رہی ہوں۔ تم انہیں بے حس اور بے نیاز کیوں کہتی ہو۔ مطلب یہ کہ تم بھی چاہتی ہو' وہ بے نیاز نہ رہیں تم سے۔"

"میں کیوں؟ واہ تم فضول معنی مت نکالا کرو۔ میں تو۔ میں عزت کی طلبگار ہوں صرف۔ جو مرد عورت کی عزت نہیں کرتا۔ اسے کیا حق کہ وہ عورت سے وہ چیز چاہے جو خود اپنے پاس نہیں۔ اسجد بھائی جو ہیں۔ عورت کے لیے کتنے احترام کے لفظ ہیں ان کے پاس۔"

"ہاں مگر ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ وہ بے شک باوقار' بارعب ہیں۔ ہر لڑکی ان کے قرب کی تمنا کرتی ہے۔ میں بھی پہلے انہیں ہی پسند کرتی تھی۔ مگر تمہاری طرح میرا ابھی کوئی تجربہ نہ تھا۔ مگر جب تاثیر بھائی سے بار بار سابقہ پڑا۔ میں نے کئی چیزیں نوٹ کیں۔ اسجد بھائی گہرے ہیں۔ حاسد ہیں۔ ہر خوبصورت چیز کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ سب سے اچھی چیز کے حقدار خود بن جاتے ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ کاش میں اکلوتا ہوتا۔ تب میری حکومت ہوتی۔ انہیں بھائیوں سے دلچسپی نہیں۔ کئی کئی عشق چل رہے ہیں۔ مگر شادی نہیں کرتے۔"

"خاص آئیڈیل ہو گا ان کا۔"

"عام تم جیسا۔ کہہ رہے تھے۔ فرح جیسی شریک حیات خوش قسمتی کی دلیل ہوتی ہے۔ احتجاج نہ کرنے والی' برداشت والی۔ ظلم کو مرد کا حق سمجھنے والی۔ انہیں تاثیر بھائی سے حسد ہے۔ ہاں میں نے نوٹ کیا ہے۔ ادھر تاثیر بھائی ہیں۔ سچے کھرے۔ درگزر کرنے والے۔ شریف۔"

"درگزر کرنے والے؟" وہ چلا پڑی۔

"میرا تجربہ ہے۔ میں اپنا مشاہدہ اور تجربہ ہی بتاؤں گی۔ اسجد بھائی محترمہ' محترمہ کہہ کر دل لبھائیں گے۔ تاثیر بھائی کیا بکواس ہے۔ کہہ کر اعتراض کریں گے۔ فرق ہے مگر سمجھنے والے کے لیے فرح! تاثیر بھائی ہیرا ہیں۔ قدر کرو۔"

"ہم کرو قدر۔" وہ بیزار ہو گئی۔

نبیلہ نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ فرح کے لیے صاف کہہ دیا "تم خود اپنا مقدمہ لڑو۔ میں فارم نہیں منگواؤں گی جب تک تاثیر بھائی خود نہیں اجازت دیتے تم اجازت لے لو۔"

وہ کس سے اجازت لیتی۔ پتھر کے مجسمے سے۔ اور پھر تابڑ توڑ ایسے واقعات ہوئے کہ وہ بھول ہی گئی۔

*_*_*

رافعہ کی حد سے بڑھی خود سری۔ خود رائی اور زبان درازی کو خاموشی سے' تحمل سے برداشت کرنے والے طارق پر رافعہ نے شرمناک الزام عائد کر کے ان سے خلع لے لی۔ یہ ایسا جھٹکا تھا۔ جس نے سب کو ہلا کے رکھ دیا۔ ان کی حیرانی میں ایک اور صدمے کا اضافہ ہو گیا۔ جب پھپا بھی جان سے گزر گئے۔ صدمے دونوں غمناک۔

نبیلہ کے تو باپ بھائی کا معاملہ تھا مگر چچا پر بھی بہت اثر تھا۔ وہ بھائی کو بہت چاہتے تھے۔ ابھی تو غلط فہمیاں رفع ہوئی تھیں۔ نبیلہ اور فہد کے ذریعے تجدید محبت ہوئی تھی۔ نئے رشتے کی بنیاد ہی تھی کہ بھائی نہ رہے۔ نبیلہ کی دل جوئی اور رفاقت کا بھرم چچا' چچی نے بخوبی رکھا۔ کئی کئی دن گوجرانوالہ رہتے۔ گھر میں اسجد' امجد تھے' اس کی بیوی تھی۔ باقی سب پھپھو کے گھر۔

تاثیر اور فرح بھی کئی دن رہے۔ نبیلہ پر دہرا صدمہ تھا۔ اسے طارق بھائی سے بہت محبت تھی۔ طارق بھائی مرجھا کے رہ گئے تھے۔ اپنے والد کے انتقال نے انہیں سنبھلنے کا موقع دیا۔ وہ ذمہ داری کے احساس سے اپنا غم بھول کر ماں کی' بہن کی دل جوئی کرنے لگے۔

فرح اسکول کی وجہ سے جلد آ گئی۔

ابھی اس واقعے کو پندرہ دن ہوئے تھے کہ دوبئی میں سمیرا کا شوہر روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا۔ یہ ایسا سانحہ تھا جس نے ہر شخص کو دم بخود کر دیا۔ اسجد اور امجد دوبئی چلے گئے۔ گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ چچی سمیرا کی سسرال کی ہو کر رہ گئیں۔ دونوں کا غم ایک تھا۔ نبیلہ کو گوجرانوالہ سے آنا پڑا۔ سمیرا کی حالت بھی ٹھیک نہ تھی۔ وہ دوبئی کے ہاسپٹل میں بے ہوش پڑی تھی۔ ہوش میں آئی تو دیوانوں جیسی حرکتیں کرنے لگی۔ ڈاکٹروں کے مشورے پر اسے گھر کے ماحول سے دور کرنے کے لیے پاکستان لانے کا انتظام ہو رہا تھا۔

سمیرا کے ایک دیور بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کی بیوی نے سمیرا کا کچھ سامان سوٹ کیسوں میں پیک کیا۔ امجد کی بیوی بھی بعد میں دوبئی پہنچ گئی تھی۔ وہ بہت سمجھدار تھی۔ اس نے سمیرا کے کمرے کو عجب حال میں دیکھا۔ بکھرا بکھرا۔ لاکھ سمیرا ہاسپٹل میں تھی۔ مگر اتنے شاندار گھر میں ٹھاٹھ باٹ سے رہنے والی نفاست پسند اعلا معیار کی پسند رکھنے والی سمیرا کا کمرہ ایسی قدر اجاڑ۔ یقینی طور پر وہاں سے سامان آرائش اور قیمتی اشیاء اٹھالی گئی تھیں۔

سمیرا کی دیورانی دو سوٹ کیسوں میں کپڑے اور دیگر سامان رکھ کر مطمئن ہو گئی مگر امجد کی بیوی نے بہانے سے الماریاں بھی کھلوائیں۔ سمیرا کے سامنے جیولری' ڈالرز' قیمتی اشیاء' دوبئی کی کرنسی۔ بیگ میں بھریں نہ جانے کتنے عرصے بعد واپسی ہو۔ کمرہ لاک کر کے سمیرا کو لے کر یہ لوگ واپس وطن آئے تو اندوہناک واقعات پیش آئے۔

سمیرا کی ساس اسے اپنے ساتھ لے گئیں۔ ان کا بھی سارا خاندان امڈ پڑا تھا۔ سمیرا کی طبیعت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ اس گھر میں بھی وہی ماحول تھا۔ ساس نندیں' جیٹھ جٹھانی۔ سب کو دیکھ دیکھ کر وہ بھی پست ہو رہی تھی۔ آخر چچی اسے اپنے گھر لے آئیں۔ بچے کو دادی نے رکھ لیا۔ ان کی ممتا کا خیال کر کے کسی نے اعتراض نہ کیا۔ مگر سمیرا کو اس کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر ماں باپ بھائیوں' بھابیوں کی مسلسل دیکھ بھال محبت اور تسلیوں نے زندگی کی طرف لوٹایا۔

اور جب اپنا بچہ لینے وہ سسرال گئی تو پتا چلا کہ ساس نے بچے کو اپنے بے اولاد بیٹے کو دے دیا ہے مستقلاً"۔ سمیرا کی حالت پھر بگڑنے لگی۔ مگر سب نے سمجھایا کہ وہ کہیں دور تو نہیں ہے۔ جب چاہو مل لینا دادی بھی تو اس پوتے کی شکل میں مرحوم بیٹے کو دیکھتی ہیں۔ وہ زیادہ دن رہ بھی نہیں سکے گا۔

آخر سمیرا کو صبر آ ہی گیا۔ اب وہ دوبئی جا کر اپنا سامان لانا چاہتی تھی۔ اس کے شوہر نے بہت کمایا تھا۔ بینکوں میں سرمایہ تھا۔ دیور کے ساتھ حساب کرنا تھا۔ دوبئی کی تیاری کر کے ساس کو بھی خبر دے دی۔ جانے سے پہلے دیور کو فون کیا۔ تو سکتے کی حالت میں بیٹھی رہ گئی۔ وہاں تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ دیور وہ گھر بیچ کر امریکہ جا چکے تھے۔ باقی سامان، سرمایہ کہاں گیا۔ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ساس نے لاعلمی ظاہر کی۔ ان کے مطابق جب بیٹا نہ رہا۔ تو اس کی دولت یا سامان سے انہیں کیا دلچسپی۔

سمیرا پر کئی دن سکتہ طاری رہا۔ ایک دن وہ تیار ہو کر بیٹے کو واپس لانے کے لیے سسرال پہنچ گئی۔

سسرال میں اس کے ساتھ اجنبی رویے تھے۔ جیٹھ جٹھانی بچے سمیت غائب۔ یہ اس کی ساس کی دماغی کاوش کا نتیجہ تھا۔

"بچہ تم اپنے ساتھ نہیں لائی تھیں۔ وہ میرے بیٹے کا تھا اور میرے دوسرے بیٹے کو مل گیا۔ تمہارا جہیز رکھا ہے لے جاؤ۔"

سمیرا چیخیں مارتی واپس آئی۔ وہ صحیح معنوں میں خالی ہو گئی تھی۔ شوہر اولاد مال دولت کچھ نہیں رہا۔ نبیلہ کی شادی میں جس سمیرا کو لوگوں نے دیکھا تھا۔ وہ اسے پہچان نہ پاتے۔ کیا رہا تھا اس کے پاس۔ اندھیرا مایوسی، غم یادیں اور پچھتاوے چچا، چچی، اس کی ساس کے پاس فریاد لے کر گئے۔ ساس نے کہا۔

"میں بھی عورت ہوں۔ اس کے دکھ کو سمجھتی ہوں۔ بچہ اپنوں میں ہے۔ جب بھی وہ آئے گا۔ سمیرا اس سے مل لے۔ مگر اب وہ چچا کا بیٹا ہی سمجھا جائے گا۔ کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس کی اولاد ہے۔ رہا دوبئی کے ساز و سامان کا معاملہ، وہ بھی میرے بیٹے کی کمائی تھی۔ دوسرے کو مل گئی۔ سمیرا جتنا لے چکی ہے۔ وہ بہت ہے۔ اس سے کہیں صبر کرے۔ ایک جوان بچی کو اکیلا تو رہنے نہیں دیں گے۔ جہاں بھی شادی کریں گے۔ سہولت رہے گی۔ بچے کے ساتھ مناسب رشتہ ملے گا نہیں۔ پھر جب اس کے بچے ہوں گے۔ وہ بھول جائے گی۔ میں نے آپ سب کی بھلائی کے لیے یہ اقدام کیے۔" چچا ان کی پر مغز تقریر پر چپ رہ گئے مگر چچی سے نہ رہا گیا۔ وہ انصاف کی بات کرنے لگیں۔

"دکھی اجڑی ماں کے زخموں پر اولاد ہی مرہم رکھے گی۔ اس کا دل اجڑ گیا خدا کے لیے کوکھ نہ اجاڑیں۔ بہت گناہ ہوتا ہے۔"

ساس بگڑ گئیں۔ "میرا بھی جوان بیٹا جدا ہو گیا۔ کیا مجھے دکھ نہیں۔ آپ لوگ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے آئے ہیں۔ لگتا ہے آپ کی بیٹی نے ہی سارا دکھ سہا ہے۔ ہم تو جیسے بہت خوش ہیں۔ وہ اگر دکھی ہے تو میں بھی ماتم کر رہی ہوں۔ آپ کی بیٹی کی بھلائی کے لیے ہی یہ کام کیا ہے۔ اگر وہ یہاں رہتا تو سمیرا مسلسل غم زدہ رہتی۔ اب وہ بھلانے کی کوشش کرے گی۔ میں بھی اپنے بیٹے کی جدائی کا غم بھلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

سمیرا بپھر گئی اور ساس کے قدم پکڑ کر زار زار روئی۔ اس کے تو دل میں آگ لگی تھی۔

"اماں جی! میرے بچے کو بلا دیں۔ ساری زندگی آپ کی خدمت کروں گی۔ مجھے میرے بچے سے جدا نہ کریں۔ اللہ نے تو مجھ سے میری چھت ہی لی ہے۔ آپ نے زمین ہی کھینچ لی۔"

اس کی فریاد، آنسوؤں کی زبان۔ دل کلیجے سے نکلا جا رہا تھا۔ نندیں آ گئیں۔ انہیں اس اجڑی، غم زدہ لڑکی سے ہمدردی تھی۔ گلے لگا کر تسلی دینے لگیں۔

"بھابھی! اگر ہمیں پتا ہوتا۔ تو ہم ہرگز یہ ظلم نہ ہونے دیتے۔ ہم بھی اولاد والے ہیں۔ جب ہمیں پتا چلا تو بھائی جان بھابھی آپ کے بیٹے کو لے کر امریکہ پہنچ گئے تھے۔"

"امریکہ؟" سمیرا چلا اٹھی۔ ساس نے ایک بار بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی۔ فرح روز سمیرا کے پاس چلی جاتی۔ سمیرا کی بے قراریاں۔ گریہ وزاری۔ فرح، نبیلہ سمجھاتیں۔ وہ بے بسی سے دیکھ کر رہ جاتی۔

"مرنے والے کو صبر کر لیا ہے۔ زندہ کو کیسے صبر کروں۔ میرے کلیجے میں آگ لگا دی ہے ان لوگوں

نے۔"

وہ لوگ تو اس کے خیال سے بچے کا ذکر بھی نہیں کرتی تھیں۔

مگر پھپھو سمیرا کا حال سن کر آئیں تو معجزہ ہو گیا۔ پھپھو کو ویسے ہی سمیرا سے بہت محبت تھی۔ اب وہ سمیرا کی ہو کر رہ گئیں۔ اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتیں پلاتیں۔ گود میں لٹائے بچے کی باتیں سنتیں۔ کرید کرید کر اس کے زخموں سے زہر نکالتی رہیں۔ وہ بھی اپنی گزری خوشیوں کا حال سناتی۔ بچے کی ایک ایک ادا، ایک ایک بات بتاتی۔ اس وقت اس کے چہرے پر مسرت کی کرنیں رقص کر رہی ہوتیں۔ وہ حال سے ماضی میں پہنچ جاتی۔ وہ اب سنبھل رہی تھی اور چچا چچی پھپھو کو کریڈٹ دے رہے تھے۔ پھر وہ معمولات میں لگ گئی۔

"چچی اماں! اپنے حال میں مست رہی میں، پوچھا تک نہیں آپ سے، چچا ابا کو کیا ہوا تھا۔"

"بس بیٹا، وقت آ گیا تھا۔"

"چچی اماں! چچا ابا کو طارق بھائی کے صدمے نے مار دیا۔ رافعہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"نہیں بیٹا! کوئی کسی کو نہیں مارتا۔ انسان کو اتنا اختیار کب ہے اور یوں تو جوان بغیر کسی صدمے کے بھی مر جاتے ہیں۔ انہوں نے تو زندگی گزار لی تھی۔ اللہ کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ اگر طارق کا واقعہ نہ ہوتا۔ تب بھی تمہارے چچا کا وہی وقت تھا۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا ٹائم مقرر کیا ہوا ہے۔ غم کا، خوشی کا، دعاؤں کی قبولیت کا، اسی لیے اللہ نے مایوسی کو کفر سے تشبیہ دی ہے۔"

سمیرا غور سے سنتی رہی۔ وہ دیر تک باتیں کرتی رہی۔ فرح اور نبیلہ بھی سنتی رہتیں۔ فرح، سمیرا کے دکھ میں اتنا شریک رہی کہ گھر کے مسائل سے بے خبر ہو گئی۔

اس دن وہ اسکول سے گھر پہنچی تو پھپھو اور نبیلہ موجود تھیں۔ نبیلہ تاثیر سے مٹھائی مانگ رہی تھی۔ تب اسے علم ہوا۔ تاثیر کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ لاہور میں ہی۔ چلو اب مستقل ڈیرا جما رہے گا۔ فرح کی تیوری چڑھ گئی۔ "اگر مجھے بتا دیتے۔ میں ان کو کھا جاتی۔ یا ان کی کمائی ہضم کر لیتی۔" غصے میں اس نے تاثیر کی لائی آئس کریم بھی نہیں کھائی۔

"امی! اب فرح کی رخصتی کر دیں۔ بہت گھوم لیے اکیلے اکیلے تاثیر بھائی۔" نبیلہ نے کہا۔

فرح پیر پٹخ کر وہاں سے چل دی۔ پھپھو بھی اب اس کے تیوروں سے گھبرانے لگی تھیں۔

*_*_*

اس دن وہ نبیلہ کے گھر گئی۔ تو پتا چلا کہ پھپھو اور نبیلہ گوجرانوالہ گئی ہوئی ہیں۔ وہ تو پھپھو کو کہنے آئی تھی کہ تین چھٹیاں ہیں اس کی۔ وہ آ جائیں۔ سردی آ رہی تھی اور نئی رضائیاں بھی بنانی تھیں۔ پھپھو کا مشورہ درکار تھا۔ پتا چلا کہ طارق بھائی کی طبیعت خراب ہے۔ اسی لیے دونوں چلی گئیں۔ وہ پریشان ہو گئی۔

فہد سے اس نے کہا۔ "مجھے بس میں بٹھا دیں۔ میں بھی طارق بھائی کو دیکھ آؤں۔ نبیلہ کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

فہد نے کہا "نبیلہ تو چند دن بعد آئے گی۔"

"میری بھی تین چھٹیاں ہیں۔"

"او ہو تو آرام سے گھر میں گزاریں تاثیر بھائی پر حکم چلائیں۔"

اس کا گھر سے نکلنے کا پروگرام نہ تھا۔ زبردستی کا اسے حق نہ تھا۔ تھوڑی دیر سمیرا کے پاس بیٹھ کر کھڑی ہوئی تو اسود نے بتایا کہ وہ کہیں جا رہا ہے۔ فرح کو چھوڑ آئے گا۔ اسے کالج میں کوئی کام تھا۔ فرح اٹھ گئی۔ گاڑی اسجد ڈرائیو کر رہے تھے۔ اسود کو چھوڑ کر آگے بڑھے تو اسجد نے یکلخت کہا۔

"فرح پلیز، آپ آگے آ جائیں۔"

(محترمہ کہاں گئی۔)

"کوئی بات نہیں۔ پانچ منٹ کا راستہ ہے۔"

"میں اس کو دس اور پندرہ منٹ کا بنا دوں تب؟ میں نہیں چاہوں گا لوگ مجھے ڈرائیور سمجھیں، آئیں پلیز۔"

فرح الجھن میں پڑ گئی۔ اسجد کا وجیہہ۔ باوقار سراپا۔ ان کا اصرار۔ کیوں آخر؟ ٹھیک ہے میں انہیں پسند کرتی ہوں۔ ان کی جاذب نظر شخصیت کی بنا پر ان کے محتاط رویے کی وجہ سے نبیلہ کی وساطت سے روز آنا جانا لگا رہتا۔ اب تو صرف سمیرا کی خاطر آتی تھی اور اسجد اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھتے تھے۔ اسے اچھا تو نہیں لگتا تھا۔ مگر برا ماننے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی۔

کئی بار وہ سمیرا کے بہت قریب آئے۔ جبکہ وہ بھی وہاں نزدیک بیٹھی ہوتی۔ انہیں بہن سے بات کرنے کا اسی وقت موقع ملتا جب فرح ہوتی۔ یوں تو ہر جذباتی' کم عقل' کم علم لڑکی کی طرح اسے اسجد کا اپنی طرف دیکھتے رہنا' نظروں سے سراہنا اچھا لگتا۔ مگر اسے حدود کا بھی لحاظ تھا۔ اتنی بھی کم علم نہ تھی کہ اپنی حیثیت نہ پہچانتی۔ گاڑی بے حد ست تھی۔ فرح نے تیز ہو کر کہا۔

"پلیز اسپیڈ بڑھایئے۔ میں پانچ منٹ میں اپنے گھر پہنچنا چاہتی ہوں۔"

"تو آگے آنے میں کیا اعتراض ہے آپ کو۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

"تو کریں۔ میں یہاں بھی سن لوں گی۔ میرے کان کافی تیز ہیں۔"

اسجد کو اندازہ ہو گیا۔ یہ وہ نہیں۔ جیسی شکل سے نظر آتی ہے۔

"اس طرح تو بات...... خیر میں دراصل خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تاثیر کی۔"

"شکریہ وہ ٹھیک ہیں۔"

"تاثیر بہت بد قسمت ہیں۔ انہیں آپ کی قدر نہیں۔ آپ انہیں سمجھائیں۔"

"کیا سمجھاؤں؟"

"یہی کہ وہ آپ کی عزت کریں۔ قدر کریں۔ آپ محبت کرنے کے لائق ہیں۔ کاش آپ نے وہ غلطی نہ کی ہوتی۔ مگر بزرگوں کے خیال میں یہی بہتر ہو گا۔ افسوس۔"

"مہربانی کر کے اب یہ بھی بتا دیں کہ میری کون سی غلطی آپ کے افسوس کا سبب بنی۔"

"نکاح۔ آپ پابند ہو گئیں۔ حالانکہ آج بھی لوگ آپ کے قدموں تلے پلکیں بچھانے کو تیار ہیں۔"

اف اس قدر تعلیم یافتہ۔ سنجیدہ' باوقار شخص کی چھچھوری گفتگو سستی گھٹیا۔ ناول کے مکالمے۔

"یہ غلطی تو تاثیر نے بھی کی ہے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ ان کی اس غلطی کا آپ کو کتنا افسوس ہے؟۔"

اسجد' فرح کے ٹھنڈے لہجے' سخت الفاظ سے کوئی معنی اخذ نہ کر سکے۔

"میں تو آپ کو میں دراصل ذرا مختلف مرد ہوں۔ ماں باپ کا لاڈلا۔ جس شے کی طرف اشارا کرتا وہ مجھے مل جاتی۔ اب بھی کم و بیش یہی عالم ہے۔ مجھے آپ ہر لحاظ سے پسند ہیں۔ میں انتظار میں ہوں۔ آپ کی رہائی شاید میرے نصیب جگا دے۔"

کس قدر خود غرض ہوتا ہے مرد۔ اسے من پسند چیز کے علاوہ اور کسی کا ہوش نہیں ہوتا۔

"میری رہائی سے کیا مراد ہے۔ میں سمجھی نہیں۔"

وہ بن کر بولی۔

"سنا تھا میں نے کہ تاثیر آپ کے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی نہیں۔ شاید کبھی نہ بھی۔ وہ یہ زنجیر توڑ دیں۔ آپ خود کوشش کریں۔ تو جلد ہی رہائی مل جائے۔ نبیلہ نے بتایا تھا کہ آپ بھی مجھے پسند کرتی ہیں۔ خوشی ہوئی اور شکر ادا کیا کہ میرے جذبات یک طرفہ نہیں۔ فرح پلیز' آپ تاثیر کو آگاہ کر دیں کہ آپ بھی اس کی زندگی سے الگ ہونا چاہتی ہیں۔"

میٹھی آواز' گمبھیر لہجہ' انتہائی کم رفتار۔ لگتا تھا پانی پر تیرتی کشتی میں سوار ہے اور ابھی آدھا راستہ بھی نہیں ہوا۔ اسپیڈ بریکر پر کار یکدم تقریباً" رک سی گئی۔ فرح نے دروازہ کھول دیا اور آرام سے اتر کر آگے منہ کر کے کہا۔

"آدھے راستے تک پہنچانے کا شکریہ۔ آپ صرف آدھے راستے کے مسافر ہیں۔ جایئے آگے اور بھی راستے ملیں گے۔ ایک بات یاد رکھیے۔ کردار کو پرکھے بغیر امیدیں وابستہ نہیں کی جاتیں۔"

ٹریفک کا شور یکایک بڑھ گیا تھا۔ پیچھے سے ہارن ہو رہے تھے اور وہ سرخ چہرہ لیے ایک گزرتی ست بس میں لٹک گئی۔ اسجد کو یک لخت اپنی توہین کا ادراک ہوا تھا۔ ہونٹ چباتے ہوئے گاڑی بڑھائی تو پچھلا دروازہ فٹ پاتھ سے ٹکرایا۔

"جاہل۔" انہوں نے مڑ کر دروازہ بند کیا اور ان کے باوقار لبوں سے گالیوں کا فوارہ اچھلا۔ آنکھیں آگ کی طرح جل رہی تھیں۔ گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

اس رات فرح کو تیز بخار ہوا۔ یہ موسمی بخار نہ تھا کہ دوا سے ٹھیک ہو جاتا۔ غیظ و غضب۔ برداشت کی انتہا اور بے بسی کی علامت۔ چھٹی کے تین دن بیماری کی نذر ہوئے۔ جب مستقبل کا سوچتی۔ مشتعل ہو جاتی۔ کیا کیا میرے ساتھ ابا اور پھوپھو ای نے۔ قید' پابند' گرفتار' کتنے الفاظ ہیں۔ صرف مجھ پر فٹ' پر کتر ڈالے۔ اڑنے کی طاقت رہی نہ پھڑپھڑانے کی صلاحیت۔ جاؤں تو کہاں؟ کروں تو کیا اب تو سب مجھ پر ترس کھائیں گے۔ مشورے ہو نہ رہائی! کیسی رہائی؟ ابا کے باندھے ہوئے دھاگے کیا اتنے کمزور ہوں گے اور میں کیا موم کی گڑیا ہوں کہ ہر کسی کے مشورے پر رہائی کی تدبیر کروں گی۔ میں ہی کیوں؟ اس کے سامنے تاثیر آیا تو تصور میں اسی پر برس پڑی۔

"تم خود کر لو رہائی کی تدبیر۔ توڑ دو زنجیر۔ ہمت ہے تو۔ تم جو اس قدر مضبوط' سنگین' آپے سے باہر ہو جانے والے ہو۔ تمہاری ٹھوکروں سے تو زمین بھی کانپتی ہے۔ مجھے دنیا کی ٹھوکروں کے سپرد کر دیا۔ تم کو غرض ہو گی۔ تو خود ہی توڑ ڈالو گے زنجیر۔ میں نے تو نہ اس تعلق کو جوڑنے میں کوئی کردار ادا کیا۔ نہ توڑنے میں فریق بنوں گی۔ اپنے بڑوں کے فیصلے کی پابند ہوں۔ اگر یہ سزا ہے تو مجھے بھگتنی ہی ہو گی۔ غیر معینہ مدت تک۔"

ایک فیصلہ کر کے کچھ پر سکون ہو گئی۔

*_*_*

موسم سرد ہو رہا تھا۔ بادلوں نے فضا میں اپنی برتری کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ پہاڑوں کی طرف سے آنے والی ہوائیں۔ یخ بستہ تھیں۔ کچھ تو بخار کے بعد کمزوری کا بھی اثر تھا۔ اسکول میں اسے سردی لگنے لگی۔ ابھی سوئٹر وغیرہ تو نکالے نہیں تھے۔ شال سے کام چل رہا تھا۔ بخار کے ڈر سے وہ چھٹی سے پہلے ہی گھر آ گئی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تاثیر کی موجودگی ورنہ بوا تو ہر وقت گیٹ بند رکھتی تھیں۔ برآمدے میں آتے ہی تاثیر کی آوازیں آنے لگیں اندازہ لگانے کے لیے رک گئی۔ کہ کس سے بات ہو رہی ہے۔ نبیلہ تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ فرح اس وقت اسکول میں ہوتی ہے۔

"کیوں میں کیوں قدم اٹھاؤں؟ کس لیے بھلا؟۔"

تاثیر کی آواز میں شعلے کی لپک تھی۔

"تو پھر یہ سلسلہ کب تک یوں ہی چلے گا۔" نبیلہ کہہ رہی تھی۔ "آپ بھی تو طے کریں۔"

پتا نہیں کیا موضوع تھا۔ سردی لگ رہی تھی۔ وہ کمرے کی گرم فضا میں پہنچنا چاہ رہی تھی۔ دروازہ کھولنے لگی تو اپنا نام سن کر رک گئی۔ نبیلہ کہہ رہی تھی۔

"فرح کوئی بے جان گڑیا تو نہیں ہے۔ آخر آپ اسے من پسند زندگی گزارنے سے کب تک روکیں گے۔"

"کیا اس نے تم کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔" گرم سرد لہجہ تھا۔

"نہیں اسے تو خبر ہی نہیں۔ صرف آپ سے ملنے ایک فیصلہ کرانے۔ تاثیر بھائی! فرح کو رشتوں کی کمی پہلے تھی نہ اب ہے۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟۔"

نبیلہ کو فرح کی وکالت کا شوق تھا۔ حالانکہ ہر بار وہ اسے روکتی تھی۔

"میں نے اس پر کوئی بندش نہیں لگائی۔ وہ جب چاہے فیصلہ کرلے۔ میں جبر کو بدترین ظلم سمجھتا ہوں۔ شرط یہی ہے کہ وہ خود اپنی فریق بنے جو چاہے فیصلہ کرا لے۔ اس کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔ مگر تمہارے یا کسی کے کہنے سے ہرگز نہیں۔"

"مجھے معلوم تھا' آپ یہی کہیں گے۔" نبیلہ بگڑ گئی تھی۔ "وہ میری پیاری بہن' کزن اور عزیز دوست

ہے۔ میں اسے خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"مجھے تو وہ کہیں سے رنجیدہ نظر نہیں آتی۔" تاثیر کا جواب ہمیشہ کی طرح تھا۔

"جو زندگی وہ گزار رہی ہے۔ اسے خوش آئند نہیں کہا جا سکتا۔" نبیلہ جھلائی۔ "سیدھی سی بات ہے۔ اس وقت دو انتہائی اہم پروپوزل ہیں فرح کے لیے۔ ایک تو اسجد بھائی ہیں۔ بہترین' وہ فرح سے شادی کرنا چاہتے ہیں اگر آپ اسے رہائی دے دیں۔ فرح بھی انہیں پسند کرتی ہے۔ انکار نہیں کرے گی۔"

"کیا؟ کیا تمہارا مطلب ہے وہ؟ وہ بدکردار آدمی اسجد' سنہری نقاب میں بھیڑیا۔ وہ فرح سے شادی کرے گا یا وقت گزاری اور فرح انہیں۔ ان حضرت کو پسند کرتی ہے۔ اس سے بڑا لطیفہ میں نے کبھی نہیں سنا۔"

"تو اب سن لیں۔ دوسرے طارق بھائی ہیں۔ مجھے ان کی بڑی فکر ہے۔ فرح جیسی بردبار' سمجھ دار اور تعاون کرنے والی لڑکی ہی ان کی محرومیوں کا ازالہ کر سکتی ہے اگر آپ فرح کو آزاد کردیں تو ہم۔"

"بڑی دیر سے تمہاری پالیسیاں' منصوبے بندیاں اور مشورے برداشت کر رہا ہوں میں۔ ان کا مجھ پر اتنا اثر ضرور ہوا ہے کہ میں مزید ارادے کا مضبوط ہو گیا اور کیوں جی! میں پاگل ہوں یا اندھا لنگڑا ہوں کہ آپ کی وہ پیاری بہن' عزیز دوست صرف مجھ سے ہی الرجک ہے۔ ویسے میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر اور بھی حیران ہوا کہ وہ اسجد کو پسند کرتی ہیں۔ شاید ان کی جملہ خوبیوں پر نثار ہیں۔ تب ہی ان کے ساتھ کہیں بھی جا سکتی ہیں۔ ویسے دیکھا تھا میں نے ایک دن۔ اسجد صاحب کی گاڑی میں پیچھے بیٹھی کچھ فرما رہی تھیں۔ پھر بھناتی ہوئی اتریں۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر یقیناً" کچھ تیز و تند جملے ان کی شان میں سنا کر چلتی بس سے لٹک گئیں۔"

"کیا؟ کیا۔ یہ کب کی بات ہے؟"

"اور وہ شاندار بہترین انسان کھلے دروازے کو بند کرتے ہوئے منہ بگاڑ بگاڑ کر جو کچھ فرما رہے تھے۔ ٹریفک کے شور میں سن نہیں سکا میں۔ مگر ان کے ہونٹوں کی حرکت نے ہر لفظ سمجھا دیا۔ اچھا تو اب وہ بھی طلب گار ہیں۔ مزید گالیاں سنانے کے لیے یا سننے کے لیے؟"

"مجھے نہیں پتا۔ انہوں نے منت کی تھی کہ میں آپ سے بات کروں۔ وہ فرح سے بات کر چکے ہیں۔ اچھا طارق بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا؟"

"یہ خود اپنی کزن سے دریافت کر لو۔ میں کیوں برا بنوں۔"

"ہاں جیسے آپ میں اور فرح میں تو بڑی ہم آہنگی ہے۔"

"نہیں ہے۔ مگر ہو سکتی ہے اور میں بہت دیر سے تمہاری فضول بکواس سن رہا ہوں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں کس نے یہ حق دیا ہے دوسروں کی زندگی میں دخیل ہونے یا رخنہ ڈالنے کا اور میں کیوں تمہارے دباؤ میں آؤں؟ کان کھول کر سن لو اور انہیں اپنے صاحب بہادر اسجد صاحب کو بھی سنا دینا۔ اب یہ میری انا اور وقار کا سوال بن گیا ہے۔ میرا فیصلہ سن لو۔ نہ تو میں اسے آزاد کروں گا۔ نہ کسی کے لیے زندہ چھوڑوں گا۔"

ہر سمت ایک کہر تھی۔ سرد' تاریک' تاثیر کا لہجہ اور دبنگ آواز ٹھٹھرا دینے والی اور جسم کو سن کر دینے والی۔ فرح کا سارا جسم تھرتھری کی زد میں آگیا۔ نبیلہ بھی ڈر گئی ہو گی۔ کھسیائی آواز آئی تھی۔

"واہ زبردستی۔"

"زبردستی ہی سہی۔"

"جب آپ کو یہ بندھن پسند نہیں۔ فرح سے لگاؤ نہیں۔ تو پھر کیسی ضد؟ میں نے اس لیے یہ بات۔۔۔"

"کچھ بھی سہی۔ میں اپنی ماں کی' ماموں کی روح کو اذیت نہیں پہنچاؤں گا۔ ان کے ہاتھ سے جو کام ہو چکا۔ اس کے خلاف نہیں جاؤں گا۔ بس۔ اور کان کھول کر سن لو۔ آئندہ میں اس بارے میں ایک حرف برداشت نہیں کروں گا۔ یہ جو اعلا و ارفع رشتے تم لے کر آئی ہو۔ انہیں اپنے ساتھ ہی لے جاؤ۔"

شاید نبیلہ نے کچھ منمنا کر کہا تھا۔

"نہیں' بندہ بہت ضدی ہوں۔ جو قمیص یا پینٹ میرے لیے آتی تھی۔ میں انہیں پھٹ جانے کے بعد بھی کسی کو نہیں دیتا تھا۔ میرے بچپن کے تمام کھلونے میری الماری میں بند ہیں۔ ہر سال کے کورس کی کتابیں' کاپیاں کمرے میں ہیں۔ میں اپنی چیز صرف اپنے لیے اپنے پاس رکھتا ہوں۔ خواہ اسے استعمال کروں یا نہ کروں' وہ اسجد جیسے بد طینت ہوں یا طارق سا معصوم بندہ۔ یاد کرو' میں کبھی دروازے پر آئے بھکاری کو بھیک نہیں دیتا۔"

بڑا ہی آتشیں لہجہ تھا۔ غضبناک آواز۔ یوں چبا چبا کر ایک ایک لفظ کو لیر لیر کرتا ہوا۔ جیسے فرح اس کی زد میں ہو وہ اسے بھی دھجی دھجی کر رہا ہو۔ فرح کو اب سردی نہیں لگ رہی تھی۔ ہوائیں مزید یخ بستہ تھیں مگر وہ اب فرح کا کچھ نہیں بگاڑ رہی تھیں۔ اس کے اندر ایک آگ دہک چکی تھی۔

اس رات ٹوٹ کے بادل برسے۔ آندھی تھی کہ طوفان' نہ جانے کتنے درخت جڑ سے اکھڑ گئے ہوں گے۔ کتنی شاخیں درختوں سے ٹوٹ کر طوفان کے غیظ و غضب کا شکار ہوئیں اور کتنے ہی معصوم پرندوں کے گھونسلے تباہ ہوئے ہوں گے۔ طوفان نہ جانے کیا کچھ بہا لے گیا۔ فرح پہلے ہی خوف زدہ تھی۔ پھوپھو کو اچانک گاؤں جانا پڑ گیا۔ اسے گرج چمک سے بہت خوف آتا تھا۔

تاثیر کا مزاج برہم تھا۔ کچن میں جا کر کتنے ہی برتن توڑ چکا تھا۔ پھینک چکا تھا اور شاید اب بھی چائے نہیں بن سکی تھی۔ وہ کم از کم آج اس کے جلال کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ گو کہ جاتے جاتے نبیلہ معافی مانگ کر اسے راضی کر چکی تھی اور جب تاثیر پر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا امتحان لے رہی تھی ورنہ طارق کی بات خود چچا کی خواہش پر سمیرا سے طے ہو گئی تھی تو وہ بھی نرم پڑ گیا تھا۔ البتہ اس نے نبیلہ کو آئندہ ایسے امتحان کے لیے خونخوار رزلٹ کی وارننگ دی تھی۔

نبیلہ نے فرح کا بند کمرہ دیکھ کر سمجھا ہو گا کہ وہ نہیں گئی۔

تاثیر نے بلاوجہ چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ بارش کے

شور میں اس کی آوازیں زیادہ ہی دہشت پھیلا رہی تھیں۔ غالباً" چائے ہی اس کا مسئلہ تھا۔ فرح کی ہمت نہیں پڑی کہ جا کر چائے بنا دے۔ بارش کا شور کچھ کم ہوا مگر آندھی کا زور بڑھ گیا۔ اچانک لائٹ چلی گئی۔ اس نے رضائی میں سر چھپا لیا۔ شاید وہ سو ہی جاتی مگر ہوا کے جھکڑ نے دروازہ کھول دیا۔ چٹخنی جھٹکے سے گری۔ سرد ہوا کمرے میں پر شور آواز کے ساتھ داخل ہوئی۔ کتابوں کاپیوں کے علاوہ ڈبے، شیشیاں بھی گرنے لگیں۔ وہ ہمت کر کے اٹھی کہ کوئی چیز دروازے کو بند کر کے اڑا دے کہ آسمانی بجلی کی روشنی میں دروازے کے بیچوں بیچ سفید لباس میں لمبا سا جن یا فرشتہ نظر آیا۔ چیخ کے ساتھ وہ پھر بستر میں گھس گئی اور متواتر چیخے گئی۔ تب تاثیر نے اسے جھنجوڑا۔

"میں ہوں۔ میں تاثیر ہوں۔ ٹارچ لینے آیا ہوں۔ فیوز اڑ گیا ہے، ہوش کرو۔"

فرح کی سماعت اتنی کمزور نہ تھی کہ شیر کی دھاڑ نہ سن پاتی۔ لیکن ایک جادو یہ ہوا کہ اس کا خوف بالکل زائل ہو گیا۔ بستر سے اتر کر وہ الماری کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بجلی چمکتی تو خاصی روشنی آجاتی۔ وہ ایک ایک خانہ ٹٹول رہی تھی۔

"جہالت کی حد ہے۔ ٹارچ کپڑوں میں رکھنے کی چیز ہے۔" وہ بگڑ رہا تھا۔

"اف یہ کیا گرایا ہے۔ میرے پاؤں توڑو گی۔"

"اندھیرے میں نظر جو نہیں آرہا۔" وہ منمنائی۔

"ارے ساری شیشیاں بھی الماری میں چھپا رکھی ہیں۔ کیا چیز ٹوٹی ہے۔ میرے پیر میں کانچ چبھ گیا ہے۔ تم سے اتنا نہ ہوا کہ اٹھ کر دروازہ بند کر لیتیں۔ حماقتوں کے پلندے سر میں جمع ہیں۔ ذرا تو عقل کو آواز دو۔ ٹارچ اٹھا کر الماری میں چھپا دی راز کی طرح۔ اندھیرے دور کرنے کے لیے ہے یا اوڑھنے پہننے کے لیے۔" بول بول کر اوسان خطا کر رہا تھا اس کے۔

"آپ ذرا ہٹ کر کھڑے ہوں، تو شاید مل بھی جائے۔" وہ چڑ گئی۔

"ہاں۔ تمہاری چیز تمہاری جیسی ہو گی، جسے ایک میری ذات ہی چبھتی ہے۔"

بمشکل ٹارچ ملی۔ وہ جلا کر چیک کرنے لگا۔ پھر کمرے سے نکلنے لگا تھا کہ اس کی جان نکلنے لگی۔

"اچھا اب دروازہ بند کر لو۔"

"اس کی تو چٹخنی ٹوٹ گئی ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ ٹارچ کی روشنی دروازے پر پڑی۔

"اوہو۔ ہاں یہ تو ٹوٹ گئی۔ اب تم ڈرو گی۔"

اسی وقت بجلی کا جھماکا اور کڑاکا ہوا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ جلدی سے بستر میں گھس کر رضائی میں لپٹ گئی۔

"سنو۔" جاتے جاتے وہ رک گیا۔ "تم نے کوئی فلم نہیں دیکھی۔"

عجیب سوال تھا۔ "دیکھی ہے۔"

"تو اس وقت کی سچویشن میں تو کوئی ہیروئن بستر میں نہیں لیٹتی۔ جبکہ اس کے عین سامنے ہیرو کھڑا ہو۔"

"میں ہیروئن نہیں ہوں۔" بات سمجھ میں آگئی۔ ساتھ ہی حیا بھی۔

"مگر مجھے ہیرو بننے کا بڑا شوق ہے۔" بڑے آرام اور سہولت سے اس نے فرح کو اس کے احتجاجی حملوں سمیت کندھے پر ڈالا اور چیختی چلاتی ہیروئن کو کچن میں لا کر کھڑا کر دیا۔

"اچھی سی دو پیالی چائے بناؤ۔ چار دفعہ بد مزہ چائے پی کر کلیاں کر چکا ہوں۔"

سخت جھنجلائی ہوئی ہیروئن چائے بنا رہی ہے اور ہیرو بننے کے شائق بڑی بد لحاظی اور بے باکی بلکہ بدتمیزی سے نہ صرف گھور رہے ہیں۔ بلکہ فقرے چست کر رہے ہیں۔ وہیں آسمانی بجلی کی روشنی اور کڑاکوں میں چائے پیتے ہوئے۔ (پہلی بار تنہائی میں تاثیر کے ساتھ) فرح کے جذبات اتھل پتھل تھے۔ مگر کوئی خوف نہ تھا۔ اندیشے نہ تھے۔ تاثیر ویسا ہی ہے۔ جیسا نظر آتا ہے۔ سخت، بے لوچ، اصول پسند مگر کھرا۔ وہ اتنا تو سمجھ چکی تھی۔ کہ اس کی زندگی میں یہ رات پہلی بار آئی ہے اور کچن ہی وہ اسپیڈ بریکر ہے جہاں گاڑی دھیمی ہو کر گزرتی ہے اور پھر اس کے بعد لمبی سڑک، پورا سفر زندگی اعتماد اور یگانگت کے ساتھ۔ ہم آہنگی کے بھروسے۔

کبھی ماموں پر جھلاتا بھلا یہ کون سا وقت تھا بیمار پڑنے کا میری نئی نئی سروس ہے۔ اماں کی دعاؤں منتوں کے سبب۔ انہیں خوش ہونا چاہیے تھا۔ نہ کہ ہارٹ اٹیک۔

تنگ آ کر اس نے اماں کو فوراً" آنے کے لیے لکھا۔ اماں آ تو گئیں۔ مگر کافی انتظار کرانے کے بعد۔ اکیلی نہیں ماموں اور فرح کے ساتھ۔ ماموں واقعی کافی کمزور ہو گئے تھے۔

دیر سے آنے کا سبب یہ تھا کہ رائے ونڈ والا گھر معقول لوگوں کو مناسب کرائے پر دیا۔ گھر کا سامان اسٹور میں بند کیا۔ کچھ فروخت کیا۔ اماں آنے کے بعد بھی ماموں کے لیے وقف تھیں۔ اس کا دل چاہتا' آفس سے آ کر اماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹے۔ ان کی نرم انگلیاں بالوں میں گھومتی رہیں اور اسے نیند آ جائے۔ اماں کی انگلیوں میں راحت تھی۔ زندگی اور آرام مگر اب اماں کو ماموں کے سوا کچھ یاد نہ تھا۔

ایک دفعہ اس نے جھلا کر کہہ ہی دیا۔

"آپ فرح سے کیوں نہیں کہتیں کوئی کام۔ وہ اتنی بھی ننھی بچی نہیں کہ ماموں کو کھانا نہ دے سکے۔ آپ ہی ہر کام کے لیے دوڑتی ہیں۔"

"فرح کو کیا پتا' کیسے ہوتی ہے تیمارداری۔ اسے تو بس آنسو ٹپکانے آتے ہیں۔"

اماں کے لہجے میں بھتیجی کے لیے پیار ہی پیار ہوتا' وہ اور بھی جل جاتا۔ اماں میری اور محبت کسی اور سے۔ اپنی کسی چیز پر اس کا ہی اختیار ہوتا۔ وہ اس معاملے میں خاصا تنگ دل تھا۔

"وہ بہت لاڈلی ہے بیٹا! پانچ بچوں میں ایک وہی تو بچی ہے۔ معین کی جان ہے اس میں۔"

"لاڈ کا مطلب ہے' اسے مزید بگاڑا جائے۔ نکمی ناکارہ ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھا ہے۔"

"ہاں اسے ہتھیلی کے چھالے کی طرح ہی اللہ آمیں بے چارا ہے بے ماں کی بچی ہے۔" اماں کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ان کی بے پایاں محبت کا ثبوت۔

"میں بھی تو بے باپ کا ہوں میری بھی قدر نہیں کی آپ نے۔" وہ شکوہ کرنے لگا۔

یہ حقیقت تھی کہ اماں کو ماموں سے عشق تھا۔ چھ برس چھوٹے تھے اماں سے۔ مگر وہ انہیں تاثیر سے بھی چھوٹا سمجھتی تھیں۔ ان کی ہر جا بے جا خواہش کو پورا کرنا فرض تھا۔ تاثیر پر رعب جما کر ڈانٹ ڈپٹ کر کے ضد سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جاتیں۔ مگر ماموں کی کسی خواہش کو رد کرنا گناہ سمجھتی تھیں اور بیماری کے بعد تو ماموں اور بھی مچل گئے تھے۔ نہ جانے کیا کیا منوانے لگے۔ آخری خواہش کے نام پر انہوں نے اپنی بیٹی بھی اماں کے حوالے کر دی۔ تاثیر کے نام۔

ایک دن کچھ عزیز جمع ہوئے۔ تاثیر کو پکڑ دھکڑ کر قاضی کے سامنے بٹھا دیا۔ بزرگوں کے لحاظ سے کچھ کہہ نہ سکا اور پھر اماں نے آنکھیں دکھائیں۔ نکاح ہو گیا۔ اب فرح منکوحہ تھی۔ ماموں کو ضرور سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ مگر تاثیر کی بے قراری سوا ہو گئی۔

اماں یا ماموں سے تو کچھ کہہ نہ سکا۔ ہاں فرح کی شامت آ گئی۔ اسے جھڑکنے' ڈانٹنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ اسے ستانے تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا وہ اتنی سیدھی بلکہ احمق سی تھی کہ اکثر سمجھ ہی نہ پاتی کہ تاثیر کی خفگی کی وجہ کیا ہے۔ وہ کس بات پر برہم ہے۔ جب وہ اماں کو ماموں کا کوئی کام کرتے دیکھتا۔ فرح پر بگڑنے لگتا۔

"کبھی ہاتھ بھی ہلا لیا کرو۔ میری اماں تمہاری خادمہ نہیں ہیں کہ ہر وقت دست بستہ حکم کی منتظر رہیں۔"

اماں ماموں کی تسلی کے لیے کہہ دیتیں۔

"بچہ ہے۔ پریشان ہو گیا ہے نکاح سے۔"

فرح تو اس چھ فٹیے بچے کی زبان سے ہی خوف زدہ اور حواس باختہ رہتی۔ ماموں البتہ اس کے سامنے صفائیاں دیتے۔ اپنی مجبوری کا بیان۔ پھر یہ بھی کہ وہ جانتے ہیں' اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ مگر اپنی فرماں برداری کے صلے میں وہ کبھی پچھتائے گا نہیں۔

وہ اس کے مشکور تھے۔ معذرتیں کرتے۔ وہ شرمندہ ہو جاتا۔ مگر پھر چند دن بعد کسی چھوٹی سی بات پر فرح کی

حماقت سے بھنا کر خوب چیختا چلاتا۔ اپنی قسمت کے پھوٹنے کے دکھڑے روتا۔ اسے غصے پر قابو نہ تھا۔ ضدی بھی تھا اور بد مزاج بھی۔

ماموں کو اب اس کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ تو اسے بہت لائق۔ قابل اور اطاعت گزار سمجھتے تھے۔ وہ تھا بھی مگر وہ بہت اچھا انسان نہ تھا۔ اسی لیے وہ فرح کو سمجھاتے' تسلی دیتے۔ کیونکہ وہ بہت بوکھلائی ہوئی رہتی تھی۔

"بیٹا! ہر شخص میں ہر خوبی ہو تو وہ انسان کامل کہلاتا ہے۔ مگر اس دور میں انسان کامل کا مطلب فرشتہ ہوتا ہے۔ میں تو شکر کرتا ہوں کہ باپ کے نہ ہونے سے بگڑا نہیں۔ ماں کا فرماں بردار ہے۔ دروغ گو نہیں' فریبی نہیں لالچی نہیں اتنی خوبیاں ہیں۔ کم نہیں ہیں۔ بس ذرا مزاج تیکھا ہے۔ کوئی بات نہیں۔ ابھی عمر کم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ چپ چاپ سنتی رہتی۔ آنسو ٹپکاتی رہتی۔ بہت ڈرتی تھی تاثیر سے۔ اس کے غصے سے۔ غضب ناکی سے۔

اس دن وہ کمروں کی صفائی کر رہی تھی۔ پھپھو امی ساتھ تھیں۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تاثیر کا کمرہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اف اتنا کباڑ۔ میلے کپڑوں کے ڈھیر۔ جوتوں کے انبار' کتابوں کی بھرمار' سب کچھ ٹھکانے لگا کر الماری کھولی۔ تو نہایت بے تکے پن سے کپڑے رکھے تھے۔ نچلا خانہ پرانے کپڑوں سے اٹا ہوا تھا۔ پھٹی ہوئی پینٹ' بدرنگی جینز' شکستہ قمیصیں۔ اف پرانے کپڑوں کی گٹھڑی باندھ کر اسٹور میں پھینکی۔ نیچے کے خانے میں سلیقے سے جوتے سجا دیئے۔ آہا کیا نکھار آیا تھا۔ بہت مطمئن تھی۔ لیکن شام کو ادھر تاثیر کمرے میں گھسا۔ ادھر دھاڑنا شروع۔ پھپھو امی سے بحث کے بعد اس کے سر پر سوار ہو گیا۔

"کہاں ہیں میرے کپڑے؟ میری ساری چیزیں؟"

وہ تو گھبرا گئی "وہ جو الماری میں تھیں۔ میرے کپڑے لاؤ فوراً" اور جو چیز جہاں تھی۔ وہیں رکھو۔ بے عقل۔"

وہ تو بگٹٹ بھاگی۔ اسٹور سے گٹھڑی اٹھا کر لائی۔ کمرے میں پھینک دی۔

"جہاں سے اٹھایا ہے۔ وہیں رکھو جاہل لڑکی۔"

چیخنے چلانے ڈرانے میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مگر اس کے بعد بھی اسے تسلی نہ ہوئی۔ اماں کے پاس جا کر شکوے شکایتیں کرنے لگا۔ اپنی بھرپور گونجتی آواز میں اس نے صاف کہہ دیا۔

"مجھے فرح پسند نہیں۔ بے عقل اور بے شعور۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے سے بہتر ہے۔ کسی ممیاتی بکری کے ساتھ رہ لیا جائے۔"

آخر میں اس نے مزید ارشاد فرمایا۔

"یاد رکھیں اماں! آپ نے جو چاہا کر لیا۔ میں چپ رہا۔ مگر میں کبھی نہ کبھی اپنی پسند کی شادی ضرور کروں گا۔ انسان ہوں۔ جنگلی جانوروں کے ساتھ رہنے کی عادت نہیں ہے۔ اتنا حق تو آپ کو دینا ہی ہو گا۔"

اس دن ماموں کی طبیعت بحال تھی۔ خود سے صحن میں آ کر بیٹھے تھے۔ انہوں نے غور نہیں کیا تھا۔ تاثیر کیا کہہ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد فرح کو زور زور سے روتے دیکھا اور پھر تاثیر کی آواز۔ اعلان وہ اسی وقت کرسی سے پھسل گئے۔ دل پر بہت سخت چوٹ لگی تھی۔ یا وقت آ گیا تھا۔

اس دن کافی بشاش تھے۔ واپس رائے ونڈ جانے کا سوچ رہے تھے۔ مگر فرح کے آنسو' تاثیر کی بیزاری۔ برداشت کی اتنی کمی تو نہ تھی۔ مگر نہ جانے دل کے کس حصے پر چوٹ پڑی تھی۔ فرح کی تو سمجھ ہی میں نہ آیا۔ وہ تو جنازہ دیکھ کر ہی بے ہوش ہو گئی۔ پھپھو امی اور چھوٹی پھپھو نہ ہوتیں تو وہ پاگل ہو جاتی۔

جب تاثیر سامنے آتا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا۔

"یہ قاتل ہے۔" اس کا رواں رواں پکارتا اور بے بسی سے منہ چھپا لیتی۔

"قاتل' ظالم' شریک حیات' عزیز ترین پھپھو کا بیٹا۔" سمجھ میں نہ آتا۔ کس رشتے کو عزیز سمجھے کس

سے نفرت کرے۔

پھپھوامی خود بھی تاثیر سے سخت ناراض تھیں۔ مگر جس وقت اس نے ماموں کی دیکھ بھال کی۔ ہاسپٹل میں چار دن چار راتیں جاگتا ہی رہا۔ ڈاکٹروں کا پیچھا کرتا۔ دواؤں کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔ پھر ماموں کو تسلی دیتا۔ اپنا ہوش نہ تھا اسے، مگر ماموں اس کی تسلیوں، یقین دہانیوں سے بہت دور جا چکے تھے۔ پتا نہیں انہیں اس کی یقین دہانی کا اعتبار آیا تھا کہ نہیں کہ وہ ظاہر میں بکواس کرتا ہے۔ "مگر فرح آپ کو عزیز ہے۔ تو مجھے بھی تا زندگی عزیز رہے گی۔" اس نے بار بار ان سے معافی مانگی تھی۔ وعدے کیے تھے۔

"ایک بار آپ ہمت تو کریں ماموں! حوصلہ کریں۔ زندگی آپ کے قریب ہے۔ اسے دور نہ کریں۔ کوشش کریں۔ دل سے ساری بدگمانی دور ہو جائے۔"

معلوم نہیں اس کی باتوں کا کتنا اعتبار آیا انہیں، رات بھر وہ ان سے سرگوشیاں کرتا۔ دن میں تو سب آجاتے موقع نہ ملتا۔ مگر اب سب ختم ہو چکا تھا۔ بعد میں اس نے فرح سے بھی معذرت کی تھی اپنی بدزبانی کی۔

پھپھوامی کہتی تھیں۔

"موت کا ایک دن معین ہے۔ وہ ساعت آئے گی تو کوئی ڈاکٹر اسے ٹال نہیں سکے گا۔ کوئی حکیم روک نہ پائے گا۔"

مگر فرح کے دل کو تسلی نہ ہوتی، پھر دعا کس لیے ہے۔ جب دعا کے لیے حکم ہے اور قبولیت کا وعدہ ہے۔ پھر میری دعا کیوں نہ قبول ہوئی؟ ابا نے تاثیر کی خفگی کا اثر لیا۔ اللہ نے بھی مجھ پر رحم نہ کھایا۔ ایسا کیوں؟ ماں پہلے نہ تھی۔ باپ بھی گئے۔"

زندگی ایک اژدہے کی طرح منہ کھولے دھواں اڑا رہی تھی۔ تاثیر کو پنڈی میں نوکری مل گئی۔ وہ وہاں چلا گیا۔ چھٹی کے دن آتا۔ رات کو رک کر صبح روانہ ہو جاتا۔ گھر میں بوا تھیں۔ ان کی بیٹی بھی تھی۔ کام کی کوئی ذمے داری فرح پر نہ تھی۔ وہ پھپھوامی کے پاس بیٹھی رہتی۔ چھوٹی پھپھو کتنا بلاتیں۔ جب آتیں ساتھ لے جانے پر اصرار کرتیں۔ نبیلہ آتی تو خوشامد کرتی مگر اس کا دل نہ مانتا۔

تاثیر کو بھی جم کر کام کرنا نہ آیا۔ ایک نوکری چھوڑ کر دوسری کے پیچھے بھاگتا۔ پھپھوامی پریشان رہتیں۔ ایک بیٹا، وہ بھی لاابالی اور غیر ذمے دار۔

اور اب وہ پچھتاتا تھا کہ لاہور چھوڑ کر پنڈی کیوں گیا۔ کم از کم اماں کا مناسب علاج کراتا۔ ان کی خدمت کرتا۔ کس قدر فراخ دل تھیں اماں۔ ہر کسی کے دکھ میں شریک، وہ نہیں رہیں تو زندگی کا لطف ہی جاتا رہا۔ ہر ہفتے دو ڈکر اماں سے ملنے جاتا تھا۔ اب اسی گھر سے وحشت ہوتی ہے۔ بوا نے پوچھا۔

"میاں! اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

وہ حیران ہو گیا۔ کیسا سوال ہے۔ "بیگم تو اب رہیں نہیں۔ آپ نوکری پر چلے جائیں گے۔ بیٹی کو بیاہنا ہے۔ گاؤں جانا پڑے گا۔ آپ جیسا کہیں۔"

وہ سمجھا نہیں۔ بوا سمجھا نہ پائیں، شاید یہ تنخواہ کا ذکر کر رہی ہیں۔ پتا نہیں اماں کیا دیتی تھیں۔

"ابھی تو بوا شبو بہت چھوٹی ہے۔ ابھی سے شادی۔ خیر جب بھی بیاہنا ہو۔ آپ یہیں سے کریں سب کچھ۔ کوارٹر آپ کے پاس رہے گا۔ سوچ رہا ہوں گھر کرائے پر دے دوں۔"

"اچھا!" بوا مایوسی سے بولیں۔ "تو فرح بی بی کو آپ ساتھ لے جائیں گے؟"

"فرح؟" وہ حیرانی سے سوچنے لگا۔ اس کے بارے میں تو سوچا ہی نہیں۔

"نہیں۔ میں کہاں۔ وہ خالہ کے گھر رہنے لگے گی۔ گوجرانوالہ۔"

"خالہ کے گھر کیوں؟" بوا بڑی روایت پسند تھیں۔ "نکاح آپ سے ہوا ہے۔ کہ آپ لے کر جائیں۔ وہ آپ کی ذمے داری ہیں۔ ادھر ادھر چھوڑنا مناسب نہیں۔" وہ اور بھی الجھ گیا۔

"بوا! پھر ایسا کریں۔ ابھی وہ یہیں رہے گی۔ آپ بھی رہیں پھر میں کچھ کروں گا۔ اچھا آپ کی تنخواہ۔" جیب ٹٹولنے لگا تو بوا خفا ہو گئیں۔

"میاں! اتنے برس ہو گئے۔ آپ کو پتا نہیں، میں کب لیتی تھی تنخواہ۔ بیگم میری ضرورت پوری کر دیتی تھیں۔ کھانا ہم تینوں جی ادھر ہی کھاتے تھے۔ مجھے پیسے کی نہیں اپنی بیگم کی چاہ تھی۔"

آبدیدہ ہو گئیں۔ وہ بھی متاثر ہو گیا۔

*_*_*

اگلے دن فرح سے مخاطب ہوئے بغیر وہ پنڈی چلا گیا۔ مگر کئی دن پریشان رہا۔ اماں۔ فرح۔ بوا۔ گھر۔

فرح اس کی بے نیازی پر کھول کر رہ گئی۔ سلام دعا درکنار، بتا کر بھی نہیں گیا۔ اور پھر خیر نہ خبر مہینہ گزر گیا۔ وہ تو گھبرا ہی گئی۔ رات کو بوا کی بیٹی اس کے ساتھ سو جاتی تھی، کبھی بوا۔ بوا کے میاں بھی اب سرونٹ کوارٹر کے بجائے برآمدے میں گیٹ کے سامنے سوتے۔ ان سب کو فرح کا خیال تھا۔

اتفاق سے چھوٹی پھپھو نبیلہ کے ساتھ آگئیں۔ نبیلہ کو لاہور کالج میں داخلہ لینے کا شوق ہوا تھا۔ لاڈلی بیٹی کی ہر فرمائش پھپھو پوری کرتی تھیں۔ فرح کے لاڈ اٹھانے والے ایک ایک کر کے قبر میں جا سوئے۔ اب وہ اپنی قدر آپ کرتی۔ خود اپنے لاڈ اٹھاتی۔

نبیلہ کے ساتھ فرح کا داخلہ بھی ہو گیا۔ میٹرک تو وہ کر کے آئی تھی بلکہ انٹر میں تھی۔ نبیلہ کے چچا بھی لاہور میں رہتے تھے۔ مگر پھپھو کی ان سے شکر رنجی چل رہی تھی۔ اس لیے وہاں تو نبیلہ کا رہنا محال تھا۔ فرح اکیلی تھی۔ اسے بھی نبیلہ سے دو سراہٹ ہو گئی۔ پھر ہم عمر ہم کلاس۔ پھپھو بھی چکر لگائیں گی۔

فرح کو بڑا اطمینان ہو گیا۔ تنہائی بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے اور اس کے حالات بھی غیر یقینی تھے۔ رات ڈر ڈر کے گزارتی۔ جاگ جاگ کر صبح کرتی۔ دن میں اونگھا کرتی۔ نبیلہ کے آنے سے بہت تقویت ہوئی۔

پھپھو نے کہا تھا۔ "نبیلہ کبھی کبھار چچا کے گھر جانے مگر رات کو فرح کے پاس ہی آکر رہتا۔"

چچا کے چار بیٹے تھے۔ مگر نبیلہ کا وہاں دل بہت لگتا تھا۔ کیونکہ چاروں کے خیالات الگ، عادت جدا، خصلتیں مختلف۔ نبیلہ سب کا مذاق اڑاتی۔ چچا کی ایک ہی بیٹی تھی۔ سمیرا بیاہ کر دوبئی گئی تھی۔ سسرال لاہور میں تھی۔ سمیرا کے لیے پھپھو نے بڑے بیٹے کا رشتہ دیا تھا۔ چچی کو اعتراض تھا۔ چچا بھی ہم نوا ہو گئے۔ طارق سے شادی نہیں ہوئی۔

پھپھو کو اس کی بہت تکلیف تھی۔ طارق میں کیا کمی تھی؟ پھر اپنا خون۔ مگر چچا نے بھتیجے کے بجائے غیر خاندان میں بیٹی دے دی۔ پھپھو اور چچی میں تب سے سرد جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اگر رافعہ کا سلوک اچھا ہوتا۔ تو سب اس بات کو بھلا دیتے۔ مگر زبان کے لحاظ سے وہ ننگی تلوار تھیں، بداخلاق بھی۔

گھر کے سب معاملات پھپھو کے ہاتھ میں تھے۔ پھپا ریٹائر زندگی گزار رہے تھے۔ بہت امن پسند اور نرم مزاج تھے۔ طارق، ناصر بھی باپ کے مزاج پر گئے تھے۔ البتہ نبیلہ تیز تھی۔

پھپھو پہلے بھی لاہور آتی تھیں۔ پھپھوامی سے اپنے دکھ سکھ سناتیں۔ کچھ دن رہ کر بہو کو گھرداری کے رموز سمجھنے کا موقع دیتیں۔ وہ خود دھیمے مزاج کی تھیں۔ اس لیے بہو کی تیز مزاجی، زبان درازی انہیں عجیب لگتی۔ نبیلہ کے ساتھ دس بارہ دن رہ کر گئیں۔ دیور کے ہاں بھی گئیں۔ انہیں جتانا بھی ضروری تھا کہ نبیلہ لاہور آئی ہے اور اس کا قیام خالہ کے گھر ہے۔ چچا نے کہا بھی۔ کہ خالہ کے مرنے کے بعد ان کے گھر رہنے کی کیا تک ہے۔ ہمارے گھر میں بہت جگہ ہے۔"

"دل میں بھی اور گھر میں بھی۔" اسو نے ہنس کر کہا۔

نبیلہ کو بھی چونکہ سمیرا کے انکار کا رنج تھا۔ اس لیے وہ بہت چپ چپ رہی۔ بھلا طارق بھائی کہاں اور سمیرا کا میاں کہاں۔ بس دوبئی کی کمائی تھی اور چچی کو وہی نظر آئی۔ انہیں اکلوتی بیٹی کے مستقبل کی فکر تھی۔ پیسے والا داماد قابل فخر ہوتا ہے۔ بیٹی عیش کرے گی تو خوشی ان ہی کو ہو گی۔ طارق وجاہت میں یکتا ہے اعلا نسب ہے۔ تعلیم یافتہ بھی ہے۔ مگر جائداد نہیں۔ پوزیشن نہیں۔ عیش و آرام کے لیے اور بھی کچھ دیکھا جاتا ہے۔

نبیلہ کو سمیرا بہت یاد آتی تھی۔ خصوصاً رافعہ کے مقابلے میں۔ ہنس مکھ، خوش اخلاق، حسین، بامروت۔ طارق نے تو رافعہ کو قبول کر لیا تھا۔ کہ سمیرا اس

کے گھر والوں کا خواب تھی۔ اس کا نہیں، مگر وہ نہیں جانتا تھا شادی کے بعد اسے اتنے امتحانوں سے گزرنا پڑے گا۔ بیوی کی ناز برداری کرے کہ ماں باپ کی اطاعت۔

*_*_*

عرصے بعد تاثیر کی آمد ہوئی۔ محرم کی چھٹیاں تھیں۔ نبیلہ کو ناصر آکر لے گیا تھا۔ فرح اکیلی پڑھ رہی تھی۔ بوا کے استقبالیہ نعرے سنتے ہی اس نے کتابیں سمیٹ کر رکھ دیں اور ٹھوڑی ہاتھ پر رکھ کر منتظر بیٹھ گئی۔

تاثیر نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔ اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ بے نیاز، بے خبر اس کے دل میں کوئی جوش بھی پیدا نہ ہوا۔ لطفی مسکراہٹ ہی حوصلہ بڑھا دیتی ہے۔ مگر اس کی ضرورت کو سمجھے تب ناں۔

فرح تو پہلے بھی اس سے خوش نہ تھی۔ نکاح کے بندھن نے اسے قید کر لیا تھا۔ محسوسات قید نہ تھے۔ بوا کو چائے بنانے کا کہہ کر وہ کمرے میں چلی گئی۔ بوا کو بھی تاثیر کے رویے اور بے اعتنائی کا دکھ ہوا۔

دو دن یوں گزرے کہ صبح سے شام تک دوستوں میں۔ رات کو آکر کھانا کھاتا۔ چائے پی کر دوبارہ باہر جاتا۔ دیر رات میں آکر سو جاتا۔ تیسرے دن صبح کو بغیر کیے پھر واپسی۔

بوا نے چائے ناشتہ دے دیا تھا۔ فرح اس کی روانگی کا سن کر ست ہو گئی۔ بوا نے بتایا کہ میاں اب ربیع الاول میں آئیں گے۔

یہ کیا؟ اسے کسی کمی کا احساس ہوا۔ خالی پن۔ وہ اتنا نادان نہیں اور کیا وہ فرح کے خرچ سے بری الذمہ ہے۔ کس لیے نکاح کا ڈھکوسلا کیا گیا۔ جب اس حد تک لاپروا ہے۔ کیا اسے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ وہ پورا گھر سنبھالے بیٹھی ہے۔ گھر میں چار آدمی کھانے والے ہیں۔ وہ اخراجات کہاں سے پورے کرے گی۔ یوں تو آئے دن کے گھر کا کرایہ آجاتا تھا۔ مگر اب اس کا تعلیمی خرچ بھی تھا۔ وہی پورا ہو جائے تو غنیمت۔ ابا تو جو تھوڑی رقم لائے تھے ان کے علاج پر ختم ہو گئی۔ کچھ تھوڑی سی رقم بنک میں ہو گی۔

انسان خالی پانی پر تو زندہ نہیں رہتا۔ اس کے پاس تو اب کپڑے بھی ختم تھے۔ دراصل اس کا قد بھی بڑھ گیا تھا۔ پرانے کپڑے چھوٹے ہو گئے تھے اور بدرنگ بھی پھر اب کالج جانا تھا، وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی۔

اتنی بے حسی وہ اب کس سے مانگے۔ کہاں سے ضروریات پوری کرے۔ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ نبیلہ آگئی۔ آتے ہی زور زور سے وہاں کے قصے، راستے کے واقعات سنانے لگی۔ ساتھ ہی کالج کے لیے تیار بھی ہوتی رہی۔ جلدی جلدی ناشتہ کر کے دونوں کالج گئیں۔ راستے میں بھی نبیلہ بولتی رہی۔ اس کے پرشور سوالات پر بس کے مسافر مسکرا رہے تھے۔

"تم کہیں نہیں گئیں؟ چھٹیاں گھر میں بیٹھ کر گزاریں؟ ہائے کیسی گھر گھسنی ہو تم تاثیر بھائی نہیں آئے دو چھٹیاں تھیں۔ کچھ تو رعب جماؤ ورنہ لاپروا ہو جائیں گے۔ پچھتاؤ گی تم۔"

گھر آکر وہ کمرے میں گھس گئی۔ نبیلہ کچن میں۔ روز کا یہی معمول تھا۔

"ہائے کیسی گھر گھسنی ہو تم تاثیر بھائی نہیں آئے دو چھٹیاں تھیں۔ کچھ تو رعب جماؤ۔ ورنہ لاپروا ہو جائیں گے۔ پچھتاؤ گی تم۔"

گھر آکر وہ کمرے میں گھس گئی۔ نبیلہ کچن میں روز کا یہی معمول تھا۔

چھوٹی پھپھو نے بہت سے کپڑے بھیجے تھے۔ فرح کو بڑا عجیب لگا۔ مگر نبیلہ اصرار کیے گئی۔

"تمہیں پتا ہے گوجرانوالہ کی مل کے بنے ہوئے کپڑے ہیں اور مل کے ریٹ پر ملے ہیں۔ ناصر بھائی، طارق بھائی کے دوست زندہ باد۔ پانچ پانچ سوٹ ہیں میرے تمہارے۔ طارق بھائی کہہ رہے تھے 'اگلے ہفتے اور ملیں گے۔ فکر نہ کرو۔ گرمی کا سیزن بھرپور گزرے گا۔ لباس کے معاملے میں ہم خود کفیل ہیں۔ کیا سمجھیں۔ قیمت کا یہ سمجھ لو کہ جتنے کے یہ پانچ سوٹ ہیں۔ یہاں دکانوں پر دو سوٹ ملتے ہیں۔ اس سے اندازہ کر لو۔"

فرح نے اس کا شکریہ ادا کیا اور خدا کا بھی۔ بارے کپڑوں کا مسئلہ حل ہو گیا۔

*_*_*

ربیع الاول آکر گزر گیا۔ تاثیر نے شکل نہیں دکھائی۔ نبیلہ نے پوچھا۔

"کیا تم لوگوں میں کوئی تنازعہ ہے؟" اس نے سر ہلا کر انکار کیا۔

"خط بھی نہیں آتے۔ خود بھی نہیں آتے۔ شاید خرچ بھی نہیں بھیجتے۔"

"ان کی مرضی کیا کہہ سکتی ہوں؟" وہ لاپروا بنی رہی۔

"تو تم ان سے۔ آخر وہ تمہارے شوہر ہیں۔"

"شوہر؟ صرف منکوحہ۔" غلطی درست کی۔

"وہ تمہیں لے جانا نہیں چاہتے اپنے ساتھ یا تم جانا نہیں چاہتیں؟"

"میں پڑھ رہی ہوں۔ جا نہیں سکتی۔"

"وہ تو آسکتے ہیں۔ یا وہ بھی پڑھ رہے ہیں؟"

"ان ہی سے پوچھنا۔" وہ بیزاری سے بولی۔

نبیلہ پرخیال نظروں سے دیکھتی رہی۔

نبیلہ کبھی کسی چھٹی میں چچا کے گھر چلی جاتی۔ فرح سے اصرار کرتی۔ مگر فرح کو کہیں جانا پسند نہ تھا۔ وہ نبیلہ کے چچا تھے۔ اس کے کون تھے پھپھو کی ان سے شکر رنجی تھی۔ وہ کیوں میل ملاپ بڑھائے۔

ابا اور پھپھو کے انتقال کے بعد وہ خود کو بہت غیر محفوظ سمجھنے لگی تھی۔ اگر اس وقت نکاح نہ ہوا ہوتا۔ تو اس کا تو کہیں ٹھکانا ہی نہ تھا۔ کم از کم اس معاملے میں وہ تاثیر کی احسان مند تھی۔ اسے بے فکری تھی۔ چھت میسر تھی۔ تاثیر کا نام، اس کے نصیب کا ستارہ بن کر چمک رہا تھا۔ خواہ اس کا سلوک کچھ بھی ہو۔ رویہ کیسا بھی ہو۔ گھر کے معاملات گھر میں تھے۔ وہ سکون سے پڑھ رہی تھی۔ مطمئن تھی۔ بوا کی فیملی بھی پشت پناہ تھی۔ نبیلہ کو البتہ اس کے سکون اطمینان پر حیرت تھی۔

اس بار پھپھو خود آئیں۔ تو نبیلہ اور فرح کے لیے کپڑے، جوتے اور چپلیں بھی لائیں وہ حلوہ بنا کر لائی تھیں اور بہت سی چھوٹی موٹی چیزیں۔ فرح کو تکلف تھا تو وہ ڈانٹنے لگیں۔

"نبیلہ لے سکتی ہے۔ تم کیوں نہیں؟ میری بیٹی ہو تم، بلکہ تم سے تو کئی رشتے ہیں۔ بیٹی کے علاوہ بھتیجی ہو۔ بہو ہو۔ تمہارا حق سب سے زیادہ ہے۔"

جاتے جاتے تاکید کر گئیں "اب کے تاثیر آئے تو کہنا۔ خالہ کا گھر راستے میں ہے۔ کبھی بھولے سے چکر لگا لیا کرے۔ اس کے سرخاب نہیں جھڑیں گے۔ نہ ہیرے موتی توڑ لوں گی۔ کیوں منہ چھپاتا ہے۔ تم سے کچھ کہتا ہے؟ اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتا۔"

"پھپھو! میں بی اے تو کر لوں۔"

وہ چپ رہی تو نصیحتیں کرنے لگیں۔

"مرد کو یوں نہیں چھوڑا جاتا ہے بے پروا ہو جاتا ہے (وہ بے پروا) گھر سے بے خبر (یہی بات ہے) اس کو پکڑ کر رکھو (کس چیز سے؟) ورنہ پچھتاؤ گی۔ لڑکیاں تو میاں پر حاوی ہونے کے کیسے کیسے نسخے آزماتی ہیں۔ تم کو ہوش نہیں۔ ساس ہے نہ نند۔ ایک اکیلا میاں ہے۔ اسے بھی بے ناتھے بیل کی طرح چھوڑ رکھا ہے۔ کس لیے افراتفری میں بھائی نے نکاح پڑھوایا کہ تمہیں سہارا ملے۔ محبت نصیب ہو۔ تم ہو کہ پڑھنے کے چکر میں زندگی خراب کر رہی ہو اب آئے تو ضرور کہنا۔ میں اس کی خبر لوں۔"

"پھپھو! وہ سمجھیں گے، میں نے آپ سے شکایت کی ہے۔"

"پاگل نہیں ہوں۔ پہلے اس کے منہ سے سن کر پھر بولوں گی۔"

جاتے جاتے کتنی ہدایتیں دے گئیں۔ جو ان کے گھر سے نکلتے ہی اس کے ذہن سے کافور ہو گئیں۔

*_*_*

پورے تین ماہ بعد تاثیر نے صورت دکھائی۔

اس دوران موسم نے قلابازی کھائی تھی۔ شدید گرمی، خوشگوار خنکی میں ڈھل گئی تھی۔ بگلے کھیرد آسمان کی سمت اونچی پرواز کرتے نظر آتے۔ کبھی کبھی ہواؤں کے ساتھ اکا دکا بادل بھی آجاتے۔ نبیلہ اور وہ

پڑھنے میں منہمک تھیں۔

نبیلہ کے پر زور اصرار پر فرح بادل ناخواستہ چائے بنانے کچن میں گئی تھی۔ نبیلہ کو پڑھتے وقت باتوں اور کھانے پینے کا شوق تھا۔ فرح اس کے برعکس خاموش رہتی۔ چائے رکھے رکھے ٹھنڈی ہو جاتی اگر شربت ہوتا تو وہ گرم ہو جاتا۔ تاثیر نے قدرے حیرت سے نبیلہ کو دیکھا۔

"ہیلو کزن؟ کیا بھئی۔ خالہ آئی ہیں؟"

"آمیں تو نہیں آپ کی راہ تک رہی ہیں۔" نبیلہ نے ہنس کر کہا۔

"کہاں؟" تاثیر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"اپنے گھر میں اور کہاں؟ صبح ہوتی ہے تو بھانجے کے ذکر سے' رات آتی ہے تو بھانجے کی فکر سے اور بھانجے کو خالہ کی صورت بھی شاید یاد نہ ہو۔"

"صورت دل پر لکھی ہو تو بھولتی نہیں۔"

"کس کس کی صورتیں لکھی ہیں دل پر۔ ذرا نام بنام بتایئے۔"

"تمہاری نہیں۔ اچھا چائے تو بنا کر لاؤ۔"

"آتی ہے چائے معہ آپ کی بیگم کے۔ وہ دیکھیں آپ کے منہ سے لفظ ادا ہوئے نہیں کہ چائے حاضر دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ ویسے آپ نے سرفہرست فرح کی تصویر دل پر نقش کی ہوگی۔"

"چائے کی۔" وہ فرح کی لائی ہوئی چائے غٹاغٹ چڑھا گیا۔

"یہ بتاؤ' تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو۔" چائے ختم کر کے سوال کیا۔

"ایں؟" نبیلہ نے فرح کو گھورا۔ "فرح نے نہیں بتایا آپ کو۔ میں تو پچھلے چھ سات مہینے سے ادھر ہی ہوں۔"

"اچھا؟" تاثیر لاپروا بن گیا۔ "پہلے نظر نہیں آئیں کبھی۔"

"کیسے نظر آتی۔ جب آپ آتے۔ چھٹی میں گھر چلی جاتی تھی۔ آپ جاتے میں آ جاتی۔ میں یہاں لاہور کالج میں پڑھ رہی ہوں۔"

تاثیر کمرے میں چلا گیا۔ فرح پڑھنے میں لگ گئی۔

نبیلہ کو الجھن ہونے لگی۔ اتنے دن کے بعد آئے ہیں تاثیر بھائی۔ فرح کو پرواہ نہیں۔ ایسی بے نیازی۔

"فرح! جا کر دیکھو۔ شاید تاثیر بھائی کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔"

یہ فقرہ اس رافعہ بھابھی سے روز ہی کہتی تھیں جب طارق بھائی آفس سے آتے۔

فرح شاید تیار بیٹھی تھی۔ وہ اٹھی اور تاثیر کے کمرے میں چلی گئی۔ نبیلہ اس کی فرماں برداری پر عش عش کرتی کمرے میں آ گئی۔ تاثیر الماری کھولے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ الماری کا حال پھوہڑ عورت کے کمرے سے کم نہ تھا۔ بغیر دھلے اور میلے کپڑے۔ تہہ کیے بغیر قمیص گولہ بنی ہوئی رکھی تھیں۔ فرح نے کبھی اس کی الماری نہیں کھولی ایک تجربہ کافی تھا۔ کمرہ بھی بوا ہی صاف کرتی تھیں۔ آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ سمجھا تھا۔ نبیلہ ہوگی۔ فرح کو دیکھ کر چونکنا سا ہو گیا۔ بلکہ پریشان بھی۔

"خیریت؟" اس کے منہ سے نکلا۔

فرح کچھ تذبذب میں کھڑی ہاتھ مل رہی تھی۔ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"کیا ہے؟ کچھ کہنا ہے؟" یکسر اجنبی سا۔

"وہ۔" فرح نے نظریں زمین میں گاڑ دیں۔ کتنا مشکل ہے اپنی سطح سے گرنا اور بھکاری بن کر اجنبی نظروں کا سامنا۔ "کچھ پیسے چاہیے تھے۔"

تاثیر نے بٹوہ پلنگ پر پھینکا۔ "لے لو۔ جتنے چاہئیں۔" (فیاضی)

وہ ہنوز اسی طرح کھڑی انگوٹھے سے زمین کریدتی رہی جیسے خزانے کی تلاش کر رہی ہو۔

"کیا لے لوں؟" آخر کار بھرائی آواز میں اس نے کہہ دیا۔

اس دوران تاثیر بٹوا پلنگ سے اٹھا چکا تھا۔ اور کچھ نوٹ کھینچ رہا تھا کہ اس کی بات سن کر انگلیاں اپنی جگہ تھم گئیں۔

"پورا مہینہ باقی ہے اور خرچ کے لیے میرے پاس ایک پیسہ نہیں اب تک تو جیسے تیسے مگر اب نبیلہ بھی ہے۔"

تاثیر کو اس کے ادھورے ٹوٹے ٹوٹے فقروں سے الجھن ہو رہی تھی۔ غصہ بھی آ رہا تھا۔

"تو پھر میں کیا کروں۔ نبیلہ کو میں نے دعوت دی تھی؟ کیوں بلا کر رکھا ہے اسے؟"

فرح سر اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی (اس میں غصہ والی کیا بات ہے)

"پھپھو لائی تھیں۔ میں نے بلایا نہیں ہے۔ گھر ہوتے ہوئے وہ ہوسٹل میں ٹھہرتی۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر بھگتو خود ہی۔ میری اتنی تنخواہ نہیں ہے کہ خاندان بھر کے خرچے اٹھاتا پھروں۔"

بڑی بے اعتنائی سے بٹوہ پھر جیب میں ڈالا اور مڑ کر حسب سابق الماری ٹٹولنے لگا۔ فرح کا دل بیٹھنے لگا۔ پھر ہمت کر کے کہا۔

"بوا کو بھی تو کچھ دینا ہو گا۔ پھپھو بھی دیتی تھیں اکثر۔"

"تو۔ پھر۔ تمہارے پاس رہتی ہیں۔ تمہارا کام کرتی ہیں۔ مجھ سے کیا واسطہ۔ تمہارے رائے ونڈ والے گھر کا کرایہ بھی آتا ہو گا۔ وہ کیا عاقبت کے لیے جمع کرو گی۔"

بارود کی چنگاری تھی جو سر سے پیر تک جل اٹھی۔ دل تو چاہ رہا تھا خوب خبر لے۔ مگر گھر میں نبیلہ موجود تھی۔ اس لیے دل پر صبر کی سل رکھ لی زبان کو بھی روک لیا۔ مگر چپ رہنے کا مطلب تھا' مقصد میں ناکامی۔

"تو ٹھیک ہے۔ اس وقت بلکہ کل بھی ہوٹل سے کھانا کھا لینا۔ گھر میں کوئی مرغی' مچھلی نہیں ہے جو تمہارا پیٹ بھرے۔"

مارے اشتعال کے تمتما اٹھی۔ تاثیر کے لبوں پر تبسم کی لکیر ابھری مگر دوسری طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ فرح دیکھ لیتی تو اور جلتی۔

"تم تو جیسے ہوا کھا کر زندہ ہو۔" کڑوے لہجے میں کہہ کر پھر مصروف ہو گیا۔

"میں تو اپنے نصیب کا کھاتی ہوں۔ جو مل جائے' تمہارا احسان نہیں اٹھاتی۔"

مجبور ہو کر سوال کیا تھا۔ کاش آج بھی یہ ذلت بھری بھیک نہ مانگی ہوتی) پیر پٹختی غصے کا اظہار کرتی باہر آ گئی۔ سیدھی کچن میں پہنچی۔ دو چار چمچے ادھر ادھر پھینکے۔ دیگچیاں پٹخیں۔ اور اسٹول پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"کس عذاب میں ڈال گئی ہیں پھپھو امی۔ کیسے جیوں گی۔ ابھی ابتدا ہوئی نہیں کہ معاملہ انتہا تک پہنچ گیا۔ ابا نے بھی کیا دیکھا؟ میں ہی قربانی کا بکرا تھی۔ جسے آرام سہولت سے حلال کر دیا۔ پھر کہتے ہیں۔ قسمت میں یہی تھا۔ اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کا طریقہ خوب ہے۔ ڈال دو قسمت پر الزام۔"

جونہی بوا نے پکانے کا پوچھا۔ آگ بگولہ ہو گئی۔

"میرا کلیجہ پکا کر کھلا دو اپنے ان لاٹ صاحب کو۔" لہجے میں شعلہ سا لپکا تھا۔

بوا ڈر گئیں "ارے نہیں بی بی! یوں نہیں کہتے۔ دونوں وقت مل رہے ہوں تو کوئی بری بات منہ سے نہیں نکالتے۔ قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔ اچھی دعا مانگنی چاہیے۔ اللہ رحم کرنے والا ہے۔ چلو تم اندر جاؤ۔ میں کچھ نہ کچھ پکا لوں گی۔"

اس کا کہیں جانے کو دل نہ چاہا۔ وہیں اسٹول پر بیٹھی امڈتے آنسوؤں کو روکتی رہی۔ چہرے پر' دکھ ملال' آنکھوں میں فکر کے سائے بوا جیسی جہاندیدہ سے چھپ نہ سکے۔

ہائے بچاری معصوم' کم سن اور ناتجربے کار بچی۔ ابھی تو اس کے کھیلنے کے دن تھے اور یہ پڑ گئی گھر گرہستی کے چکر میں۔ نبیلہ بی بی بھی تو ہیں۔ انہیں کوئی فکر نہ پریشانی' آزاد' خوش باش ہر ہفتے ماں باپ سے ملنے جاتی ہیں کبھی چچا کے گھر چلی گئیں۔ سیر تفریح ہنسی مذاق اور یہ اس بے چاری کا میکہ نہ سسرال۔ دکھی اکیلی میاں کو تو پروا نہیں۔ اوپر سے گھر داری کا جنجال۔ بھلا کوئی یوں بے فکر ہوتا ہے۔ گھر میں گوشت کی بوٹی نہیں۔ کیسے فکر مند بیٹھی ہے کہ میاں کو کیا کھلاؤں۔ میری بچی سے سال سوا سال بڑی ہے۔ اس دن میاں کہہ رہے تھے۔ شمو تو بہت چھوٹی ہے۔ اس کی شادی کی کیا جلدی ہے۔ اپنی والی کو نہیں دیکھتے۔ شادی کر کے اکیلا چھوڑا ہوا ہے۔ بوا کے سینے میں

ہمدردی کا جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

رات کو بوا نے سبزی پلاؤ بنا لیا۔ آلو کے کٹلس اور انڈے کا سالن تاثیر روسٹ لے آیا اور سیخ کباب۔ کھانا تو اچھا خاصا دعوتی سا ہو گیا۔ تاثیر نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بات چیت کا آغاز کر دیا۔

"اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ تم کرایہ کتنا دیتی ہو ہمارے گھر میں رہنے کا۔ خصوصاً "بغیر میری اجازت کے قیام و طعام کا۔"

وہ نبیلہ سے مخاطب تھا۔ فرح کی سانس رکنے لگی۔

"کیا یہ سمجھتے ہیں۔ میں نبیلہ سے خرچ لیتی ہوں۔"

نبیلہ کھلکھلا کر ہنسی۔ اس پر کسی بات کا اثر ہوتا بھی نہ تھا۔ شوخی سے بولی۔

"جناب عالی! ہم اس گھر میں حقوق کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ پر احسان ہے ہمارا۔ آپ کو شکر گزار ہونا چاہیے۔"

"او احسان وہ کس حساب میں۔"

"یہ میری خالہ کا گھر ہے۔ اور خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے۔ مجھے آپ، آپ رہ سکتے ہیں تو میں بھی رہ سکتی ہوں۔ میں اپنی کزن اور موجودہ گھر کی مالکہ کی اجازت سے رہتی ہوں۔ کرایہ دینے کا مجھے شوق نہیں۔ دھونس سے رہتی ہوں۔ احسان جتا کر۔"

"جسے آپ مالکہ کہہ رہی ہیں۔ وہ بھی میری کرائے دار ہیں اور یہ میرا ان پر احسان عظیم ہے کہ انہیں یہاں رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"اچھا تو آپ فرح سے کرایہ لیتے ہیں؟"

"لیا نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی نہیں لوں گا۔ اکٹھا وصول کر لوں گا۔"

"ہائے تو وہ بچاری کہاں سے دے گی۔" نبیلہ کے لہجے میں فرح کے لیے ترس تھا فرح کو پسند نہ آیا۔

"کرائے وندو والا محل فروخت کر کے یا میرے نام چڑھا کر۔"

تاثیر بے دھڑک فیصلے کرنے کا عادی تھا۔ فرح الجھ کر رہ گئی۔

"اچھا تو یہ پالیسی ہے۔ تاثیر بھائی! بڑے ہوشیار نکلے آپ۔ لمبی منصوبہ بندی۔"

دونوں کھانا بھی ذوق و شوق سے کھا رہے تھے۔ گپ شپ بھی۔ فرح تو سبزی پلاؤ کو چمچے سے ادھر ادھر کر رہی تھی۔ اس نے اپنی پلیٹ کے سوا نظر اٹھا کر دیکھا ہی نہیں۔ چاول بھی حلق سے اتر کے نہیں دے رہے تھے۔ نہ جانے اس گفتگو نے دل کو کیسے مسلا تھا کہ خون خون ہو رہا تھا۔ حلق بند ہو گیا تھا۔ اگر یہ مذاق تھا تب بھی اسے پسند نہیں آیا اور یہ تو ساری گفتگو مذاق کے پردے میں دلی جذبات کا اظہار لگتی تھی۔

وہ کمرے میں آ گئی۔ نبیلہ اور تاثیر دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔ نبیلہ اندر آئی تو اسے دل جمعی سے پڑھتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حسب معمول روز کی طرح اور پھر اس نے بستر جھاڑا اور لیٹنے کی تیاری کرتے دیکھا تو کہا۔

"تم آج بھی؟ کیا تم وہاں تاثیر بھائی کے کمرے میں نہیں سوؤ گی؟"

پھر کچھ دیر فرح کے جواب کا انتظار کر کے کہا۔

"فرح! تم وہاں کیوں نہیں جا رہیں؟" اس کے لہجے میں اصرار تھا۔

"کیوں میں کیوں جاؤں؟ تم نے سنا نہیں۔ میں صرف کرائے دار ہوں۔"

"فرح! تم نے ان کی بات کا برا مانا؟ یقین کرو۔ بہت کھرے اور اصول کے پکے ہیں۔ تم نے ان کا لایا ہوا روسٹ نہیں کھایا۔ کباب بھی نہیں چکھے۔ انہوں نے نوٹ کیا ہو گا۔"

"تو کیا کروں۔ مجھے بھوک نہیں تھی۔"

"فرح! ویسے تم دونوں کے رویے ہی غیر فطری سے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ وہ بھی تمہیں نہیں سمجھے اور تم کوشش بھی نہیں کرتیں۔ مگر یہ ایسے تو زندگی مشکل ہو جائے گی۔"

فرح کروٹ لیے چپ پڑی تھی۔ وہ افسوس بھی کیا کرتی۔ جانتی تھی کہ کسی کو سمجھنے سمجھانے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو تو زندگی یونہی گزرتی ہے۔ ہر کسی کا اپنا طرز زندگی ہوتا ہے جسے بدلنے کی کوشش ناکام ہوتی ہے۔ وہ تو اسی طرح خوش رہتا ہے اور جیسے کہ تاثیر کا رویہ

ہے۔ شروع سے ہی چڑتے ہیں۔ اس کی کوئی عادت انہیں پسند نہیں۔ کوئی چیز بھی قبول نہیں۔

اچھا تو میں بھی کب چاہتی ہوں کہ وہ حضرت مجھ پر اپنی جان لٹائیں۔ وہ یوں خوش تو میں بھی ہی خوش ہوں۔ مطمئن ہوں کم از کم اس بے حس شخص پر اپنی کوئی کمزوری یا بے اطمینانی ظاہر کرنے کا شوق نہ تھا اسے نبیلہ کے توسط سے بھی نہیں۔

صبح نبیلہ حسب معمول کچن میں پہنچ گئی۔ بوا سے شکایتاً کہا "رات تاثیر بھائی کے مذاق کا فرح نے برا مانا۔ وہ ان کے کمرے میں نہیں گئی۔ اپنے کمرے میں ہی سوئی۔ بوا! آپ سمجھائیں۔"

"میں سمجھاؤں؟ مگر کیا؟ وہ تو سدا سے اپنے ہی کمرے میں سوتی ہیں۔ رخصتی تو ہوئی ہی نہیں۔"

"تو وہ آتے ہیں۔ رہتے ہیں۔ کیا اسی طرح الگ الگ یا اس مرتبہ؟" نبیلہ حیران بھی تھی متاسف بھی۔

"نہیں بی بی! ہمیشہ ہی اسی طرح۔ آپ نہیں تھیں تو میں ان کے ساتھ کمرے میں رہتی تھی۔ میں تو شروع سے دیکھ رہی ہوں۔ تاثیر میاں کا رویہ۔ بی بی بڑی حوصلے والی ہے۔ رخصتی ہو جاتی تو کبھی تو اپنے ساتھ لے جاتے میاں۔" بوا ناشتہ بنا رہی تھیں لپ چھپ۔

اس دن کالج سے آ کر بوا کو مصروف دیکھا۔ کچن میں سودا پھیلا ہوا تھا۔ دالیں، چاول چینی، دیگر مسالہ جات آٹا گھی، تیل، چولھے پر سالن پک رہا تھا۔ فرح کی نظروں کے جواب میں بوا نے فخریہ بتایا۔

"تاثیر میاں نے کہا۔ اسٹور پر جا کر فہرست لکھوا دو۔ وہ خود بھجوا دیں گے۔ میں نے لکھوا دیا۔ قصائی آ کر گوشت، مرغی قیمہ دے گیا۔"

فرح کے غصے کی وجہ نبیلہ کو بھی معلوم نہ ہوئی۔ کس بات پر تن فن کرتی کمرے میں جا گھسی تھی۔ بوا نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر چکن بریانی بنالی۔ قورمہ پکا لیا۔ (تاثیر کی پسند)

چار بجے تاثیر آیا۔ دل لگا کر کھانا کھایا۔ چائے پی اور چلا گیا۔ نبیلہ دروازے تک خدا حافظ کہنے آئی۔ فرح نے اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

"تاثیر بھائی! امی سے ملتے ہوئے جائیے گا۔" نبیلہ نے یاد دہانی کرائی۔

"اگلے چکر میں۔"

تاثیر ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ابھی تو فرم کے کام سے آیا تھا۔"

بوا نے چپکے سے اسے وہ لفافہ دیا۔ "رقم ہے۔" اس نے ہاتھ نہیں لگایا۔ "بوا! تم ہی رکھو۔"

"بی بی! آپ کا نام لے کر میز پر رکھ گئے تھے۔ مجھے تو الگ دے گئے ہیں۔"

"بڑا کمال کر گئے ہیں۔" وہ بھنا گئی۔ اپنی توہین اور زخمی انا پچھتاوے سانپ بن کر ڈسنے لگے۔

"کیوں گئی اس کے کمرے۔ میں کیوں بھیک مانگی۔ غلطی تو اپنی ہے پھر کسی سے کیا شکوہ۔"

"اب پتا نہیں کب آئیں گے۔ میں نے پانچ مہینے کا سامان ڈلوا لیا ہے۔ واہ۔ اللہ کیسا رحیم و کریم ہے۔ کل گھر میں دانہ نہ تھا۔ ایک بوٹی نہ تھی۔ آج اللہ کے کرم سے گھر بھر گیا۔

اللہ ہی مسبب الاسباب ہے۔ دیکھا بی بی! میاں کو احساس ہے تب ہی تو کھلے دل سے اجازت دے دی۔ بس اب پریشان ہونا چھوڑ دو۔"

بوا نے فرح کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ آنسو امڈ آئے۔ ہاں واقعی انسان کتنا ناشکرا ہے۔ وہ تو ہر وقت، ہر جگہ مددگار ہے۔ جب وہ کپڑوں کے لیے پریشان تھی۔ جب اس کی چپل ٹوٹ گئی۔ جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوئی۔ کبھی پھپھو۔ کبھی نبیلہ کے توسط سے۔ بغیر مانگے ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اس نے رقم کا لفافہ اٹھا لیا۔ عجب طمانیت اور تسکین سی ہوئی۔ پیسہ بھی کیا چیز ہے۔ طاقت اور خوشی دینے والا۔ نبیلہ کبھی اس کو نصیحت کرتی۔ کبھی تاثیر کے سلوک پر اعتراض۔

"کمال ہے۔ جب بھی تمہارا ذکر کروں۔ بات ہی بدل دیتے ہیں۔ خود تو کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ مجھ سے تمہارے بارے میں کوئی سوال کریں۔ کہ بھئی کیا پسند ہے۔ کون سا کلر شوق سے پہنتی ہیں۔ یا کچھ بھی بڑے سڑیل مزاج کے ہیں۔"

وہ سنتی۔ چپ رہتی۔ پھپھو آئیں۔ وہ بھی اسے ہی نصیحت کرتیں۔ تاثیر پر ناراضگی بھی اسی کی سماعت میں انڈیلی جاتی۔

نبیلہ چچا کے گھر اکثر جانے لگی۔ اس کی ناراضگی بھی اب دور ہو گئی تھی۔ چچا چچی بہت مہربان۔ ان کے بیٹے شیر د شکر ایک دوبار سمیرا سے بھی گفتگو ہوئی فون پر۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔

--*

اس بار پھپھو ان کے گھر جانے لگیں تو فرح کو بھی اصرار کر کے لے گئیں۔ وہاں اس کا پرتپاک خیر مقدم ہوا۔ چچا، چچی بھی پیار سے پیش آئے۔ چاروں لڑکے بھی بطور خاص اس سے مخاطب ہوئے۔

سب سے چھوٹا، اسود بہت بے تکلف تھا۔ ہنسی مذاق اور پھبتیاں کسنا شوق تھا۔ فرح کو ان کے گھر کا ماحول پسند آیا۔

بڑے بھائی اسجد تھے بے حد سنجیدہ پروقار وجیہہ اور شکیل۔

امجد اپنے کام سے کام رکھنے والا مگر دلچسپ۔ فہد لاپروا بھلکڑ خوابوں میں گم سوچوں میں غرق۔ اسود نے فہد کے بارے میں بہت سے لطیفے بنائے ہوئے تھے۔ چچی نے بھی ہنس ہنس کر فہد کی بھول اور بے خبری کے قصے سنائے۔

"بازار بھیجنا یا کوئی چیز ان سے منگانا صبر طلب کام ہوتا ہے۔ جا کر واپس آتے ہیں کہ کیا منگایا تھا بھول گیا۔ تیسرا چکر اس لیے کہ اس چیز کی صورت کیا ہوتی ہے۔ میں تو اب خاصی ڈرائنگ ماسٹر ہو گئی ہوں۔ فہد کسی چیز سے واقف نہیں۔ رشتے انہیں یاد نہیں رہتے۔ ہر بار بتانا پڑتا ہے۔"

"ہائے ہئے یہ تو خطرناک علامت ہے۔" نبیلہ نے اسود سے سرگوشی کی۔

"ایک بار کسی سے مل کر بھول جاتے ہیں۔ دوبارہ ملاقات پر بندہ خود تعارف کرائے۔ تب بھی بحث پر آمادہ کہ جناب یقین کریں میں آپ سے پہلی بار مل رہا ہوں۔"

اسود کے متعلق انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ ہر کسی سے بہت فری ہو جاتا ہے۔

فرح سے بھی اس طرح گھل مل کر باتیں بنا رہا تھا جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔ اس میں لڑکے لڑکی کی تخصیص نہیں۔ مگر لڑکیاں گھبرا جاتی ہیں کہ شاید یہ خصوصی توجہ، خاص ان کے لیے ہے۔ ایسی لڑکیاں جو ذرا سنجیدہ ہوں۔ پسند نہیں کرتیں۔ بلکہ اب تو پڑوس کی لڑکیاں اسے دیکھ کر کنی کترا جاتی ہیں۔ گھر آنا چھوڑ دیا ہے ہمارے۔ یہ ان میں گھس گھس کر بیٹھتا تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتا۔ وہ غلط مطلب نکالتیں۔

"حالانکہ میں تو ان کے میک اپ کے برانڈ کا اندازہ کرنے کے لیے گھستا تھا۔" اسود معصوم بنا بیٹھا تھا۔

"حد تو یہ کہ آنکھیں بھی اصلی نہیں ہوتیں۔ پلکیں مصنوعی ہلکی مصنوعی اوپر مسکارا، نیچے نہ جانے کیا اف یہ تو میک اپ کی چلتی پھرتی دکان ہوتی ہیں۔"

نبیلہ کھل کھل کر کے ہنس رہی تھی۔ گھر آ کر پھپھو اس پر بہت خفا ہوئیں۔

"چچا کے گھر جا کر آپے سے باہر نہ ہو جایا کرو۔ لڑکیوں کو اپنا وقار عزیز ہونا چاہیے۔ نہ کہ ہر بات پر ٹھی ٹھی۔"

"ہر بات پر تو نہیں بس اسود اور فہد بھائی کے قصے سن کر ہنسی ضبط نہیں ہوتی۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"فرح سے کیسے ضبط ہو رہی تھی۔ اسے سنا تھا زور سے ہنستے؟ تم لڑکیاں خود لڑکوں کو فری ہونے کی دعوت دیتی ہو۔ مجھے پسند نہیں۔ لڑکوں کی بھی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیے۔"

"امی پلیز۔" نبیلہ چڑ گئی "میں فرح جیسی نہیں ہوں اور فرح مجھ جیسی نہیں۔ اگر وہ خود کو بدل سکے تو میں اس جیسی ہونے کو تیار ہوں۔"

پھپھو فرح کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں اور اسے بھی نصیحتوں کے انبار تلے کر دیا۔ شاید انہوں نے یہ بات فرح کی تنبیہہ کے لیے شروع کی تھی۔ حالانکہ وہ تو وہاں جا کر خاموش ہی رہی تھی۔

"ان کے گھر میں اتنی تازگی اور شگفتگی ہے کہ بندہ ہر فکر سے آزاد محسوس کرنے لگتا ہے۔" نبیلہ نے چچا